حکایاتِ لطیفہ

(اُردو کی قدیم ترین دلچسپ مختصر کہانیاں)

مقدمہ مع تحقیقی تدوین

ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال

ریڈر شعبۂ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی

حیدرآباد

© جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : حکایاتِ لطیفہ (اُردو کی قدیم ترین دلچسپ مختصر کہانیاں)
مقدمہ مع تحقیقی تدوین : ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال
کتابت : محمد عبد الرزاق
سرورق : سلام خوش نویس
طباعت : دائرہ پریس۔ چھتہ بازار
قیمت : 25/- روپیے
زیر اہتمام : تاج یوسف فاونڈیشن ٹرسٹ و ڈاکٹر حمید اللہ لٹریری ٹرسٹ تربپ بازار حیدر آباد

اشاعت :	پہلا اُردو ایڈیشن	۱۸۴۷ء	مدراس
	عربی ایڈیشن	۱۸۵۴ء	مدراس
	انگریزی ایڈیشن	۱۸۷۵ء	بیسن
	فارسی ایڈیشن	۱۹۱۴ء	کانپور
	جدید اُردو ایڈیشن	۱۹۹۳ء	حیدر آباد

[یہ کتاب اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی مالی اعانت سے شائع کی گئی]

ملنے کے پتے :

۱. خرّم ۔ ورڈ ماسٹر کمپیوٹر انفارمیٹک سنٹر۔ 855 - 3-11 نیو ملّے پلی حیدر آباد۔ (اے پی)
۲۔ مدرسہ محمدی باغ دیوان صاحب رائی پیٹ مدراس
۳۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
۴۔ حسامی بک ڈپو مچھلی کمان۔ حیدر آباد
۵. بک ڈپو انجمن ترقی اُردو ۔ اُردو ہال حمایت نگر حیدر آباد (اے پی)

اس کتاب کو

بلند پایہ عالم، محقق، ماہرِ اسلامیات

و

شفیق عمِ محترم

ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب

(سابق صدر شعبۂ مذہب و ثقافت، عثمانیہ یونیورسٹی)

کے نام

معنون کرتے ہوئے فخر و انبساط محسوس کرتا ہوں

محمد افضل اقبال

مرتب کے بارے میں

نام : محمد افضل الدین اقبال ۔ قلمی نام : محمد افضل اقبال

ولدیت : مولوی محمد شرف الدین صاحب مرحوم بانی و معتمد کل ہند صنعتی نمائش ۔

قابلیت : بی ۔ ایس سی ، ایم ۔ اے ، پی ایچ ڈی (عثمانیہ) ڈپلوما ان عربک

ملازمت : ریڈر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

سکونت : 855-3-11 نیو ملے پلی ۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے ۔ پی)

تصانیف :

۱۔ تذکرۂ سعید (اردو و انگریزی) ۱۹۷۳ء

۲۔ مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما (جلد اول) ۱۹۷۹ء
(آندھرا پردیش اردو اکیڈمی سے پہلا انعام پانے والی یہ کتاب مدراس یونیورسٹی کے ایم ۔ فل کے نصاب میں شامل ہے)

۳۔ فورٹ سینٹ جارج کالج (اتر پردیش اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ) ۱۹۷۹ء

۴۔ جنوبی ہند کی اردو صحافت (اتر پردیش اور مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ) ۱۹۸۱ء

۵۔ اردو کا پہلا انشری ڈرامہ (اتر پردیش اور آندھرا پردیش اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ) ۱۹۸۴ء

۶۔ نواب اعظم و مثنوی اعظم نامہ (آندھرا پردیش اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ) ۱۹۸۷ء

۷۔ شمس العلما قاضی عبید اللہ اور سنٹرل لائبریری مدراس کے اردو مخطوطات ۱۹۸۹ء
(بہ اشتراک ڈاکٹر محمد غوث)

۸۔ امانتی کتب خانہ، خاندان شرف الملک مدراس کے اردو مخطوطات ۱۹۸۹
(بہ اشتراک ڈاکٹر محمد غوث)

بچوں کے لیے :

۱۔ پرنٹنگ کی کہانی (تاریخ فن طباعت) ۱۹۶۵ء

۲۔ خرگوش پروری (خرگوش، اس کی نشو و نما نیز اس کی تجرباتی و معاشی اہمیت) ۱۹۸۴ء
(بہ اشتراک پروفیسر عماد الدین)

۳۔ ہوائی چکیاں ۱۹۸۹ء

۷۸۶
۹۲

مقدمہ

اُردو میں کہانی اور داستان نویسی کا آغاز بہت دیر سے ہوا لیکن اس تاخیر کے باوجود یہ اردو نثر کی اہم اور مقبول ترین صنف ہے۔

اُردو میں قدیم افسانے کی دو بڑی قسمیں ہیں ایک کہانی یا حکایت اور دوسرا داستان۔ کہانی کا لفظ "کہنا" سے مشتق ہے۔ انگریزی کا لفظ ٹیل (Tale) بھی "Tell" سے بنا ہے جس کے معنی "کہنا" ہیں ٹیل (Tale) قصہ، کہانی اور افسانہ کو کہتے ہیں۔ عام طور پر کہانی سے ایک ہلکے پھلکے مختصر سے افسانے کا تخیل ذہن میں آتا ہے۔ دراصل کہانی کا مقصد ہی سامع یا قاری کے لیے تفریح طبع کا سامان فراہم کرنا ہے۔ انگریزی میں اسٹوری (Story) اس مقصد کو پورا کرتی ہے۔ اُردو کی کہانی انگریزی کی اسٹوری سے بہت قریب ہے۔

"حکایت" کا لفظ بھی کہانی کے مترادف ہے وہ حیوانی کہانیاں ہوں یا حکایات گلستان کی طرح اخلاقی ہوں یا "حکایت الجلیلہ" کی طرح تفریحی ہوں "حکایت" ہی کہلائیں گی۔ اُردو میں مختصر اخلاقی کہانیوں کی تمام اقسام کو "حکایت" کہتے ہیں۔ حکایت میں اخلاقی سبق کا ہونا ضروری ہے۔ پروفیسر گیان چند رقم طراز ہیں:

"حکایت ایک بہت مختصر اور سادہ کہانی ہے جس میں ایک بہت چھوٹا واقعہ بہت کم کرداروں کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔ حکایت کی غایت تفریح نہیں بلکہ کسی نہ کسی شکل میں اخلاقی اصلاح اور بدی کی مذمت ہوتی ہے۔ اس میں رنگینی اور رومان کے نشاط و سرور کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی"۔[1]

اردو میں "داستان" کا لفظ بطور واحد استعمال ہوتا رہا ہے جب کہ "حکایت" کو بصیغۂ جمع رکھا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ داستان کو حکایت یعنی کہانیوں کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ داستان میں واقعات کی تعداد کہانی سے زیادہ ہوتی ہے۔ ایک داستان میں بے شمار کہانیاں ہو سکتی ہیں۔ داستان کہانی سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے۔ گویا کہ داستان کی ابتدا کہانی سے ہوئی۔

داستان کا اصل مقصد تفریح ہے داستان کا مصنف واعظ یا ناصح نہیں ہوتا داستان نویس فکر سے زیادہ جذبہ کو بیدار کرنا چاہتا ہے جب کہ "حکایت" میں حکایت نویس ایک حکیم دانا ہوتا ہے۔ اردو کی مشہور داستانوں میں باغ و بہار چار درویش، حاتم طائی، گل بکاولی، فسانہ عجائب، داستانِ امیر حمزہ اور بوستان خیال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جب کہ حکایت کے بہترین نمونے "کلیلہ و دمنہ" اور "طوطا کہانی" کی بعض کہانیوں میں ملتی ہیں۔ سنگھاسن بتیسی اور بیتال پچیسی میں بھی مختصر کہانیاں ہیں۔ لیکن ان کہانیوں میں فوق فطرت عناصر کی کثرت اور ہندو دیو مالا کا گہرا اثر ہے۔

۱۔ اردو نثری داستانیں ص ۱۷ مطبوعہ اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۷ء

قدیم افسانوی ادب میں حیوانی کہانیوں یا جانوروں کی حکایات کو بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ محققین کا بیان ہے کہ حیوانی کہانیوں کی ابتداء سب سے پہلے مصر میں ہوئی ۔ مصر سے یہ کہانیاں مغربی ایشیاء اور بابل گئیں جہاں وہ ایسپ کی کہانیوں کے نام سے مشہور ہوئیں ۔ ایسپ کی کہانیوں کو اردو میں "حکایات لقمان" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ ایسپ کی کہانیوں کے بعد یورپ میں حکایات کے کئی مجموعے مشہور ہوئے ۔ حکایات مصر قدیم سے ایشیائے کوچک کو گئیں وہاں سے یونان اور ہندوستان آئیں ۔ اس نوبت پر اس کا اشارہ بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستان اور یونان کی بعض حکایات میں بڑی مطابقت ہے ۔

ہندوستان میں حیوانی کہانیوں کی روایت بہت قدیم ہے ۔ مہابھارت میں کثرت سے حیوانات کی کہانیاں ہیں ۔ مہابھارت کے بعد جانوروں کی حکایات کا سب سے بڑا مجموعہ جاتک کی کہانیاں ہیں جن میں (۵۴۷) حکایات ہیں ۔ جاتک دراصل گوتم بدھ کے فرمودات اور ان کے سابق جنموں کے واقعات ہیں جن میں اخلاقی درس زیادہ ہے ۔

ایسپ اور جاتک کہانیوں کے بعد "پنچ تنتر" کی کہانیاں دنیا کے افسانوی ادب میں بڑے مقبول ہوئے ۔ مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے موجود ہیں جن سے ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ "انوار سہیلی" کی اصل "پنچ تنتر" ہے اس کا عربی ترجمہ " حکایات کلیلہ و دمنہ " کے نام سے خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے عہد میں ہوا اور بڑا مقبول ہوا ۔ یہاں اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ مہابھارت ایسپ جاتک اور پنچ تنتر میں بہت سی حکایات مشترک ہیں ۔

اُردو افسانے کی تاریخ (۳۵۸) سال پرانی ہے ۱۶۳۵ء مطابق ۱۰۴۵ھ میں مُلّا وجہی نے "سب رس" لکھی جو اُردو کی پہلی نثری داستان ہے۔

"سب رس" کے بعد دکن میں حکایات کے کئی مجموعے اور داستانیں لکھی گئیں لیکن بقول پروفیسر گیان چند" ان میں کوئی اتنی اہم نہیں کہ تاریخ ادب میں اپنا مقام بنا لے۔ ان میں بیش تر کے مصنّف کا علم نہیں تصنیف یا ترجمے کی تاریخ بھی عام طور پر معلوم نہیں" ۱

غرض یہ کہ دکنی ادب میں داستان کا جلد آغاز تو ہوا لیکن نثری قصّے زیادہ نہیں ملتے۔ ۱۸۰۰ء تک دکنی قصّے اور حکایات کی تعداد تین درجن سے زیادہ نہیں ہے جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں۔ قصّہ گوئی انسان کو مرغوب ہوتی ہے لیکن دکنی ادب کی چار صدیوں میں گنتی کی داستانیں ملتی ہیں یقیناً ان سے کہیں زیادہ لکھی گئی ہوں گی لیکن وہ گوشہ گمنامی میں پڑی ہیں۔ بیش تر دکنی قصہ شائع بھی نہیں ہوئے اور متعدد داستانوں کے مصنفین کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ تصنیف یا ترجمے کی تاریخ کا تعین بھی زیادہ سے زیادہ صدی کی حد تک کیا جا سکتا ہے۔

دکنی میں قصص اور حکایات زیادہ تر منظوم اور مثنویوں کی شکل میں دستیاب ہیں۔ قصّہ بہرام و گل اندام (طبعی) قصّہ ابو شحمہ (امین) قصّہ بی بی مریم (نامعلوم) قصّہ ملکہ مصر (عاجز) قصّہ یدماوت (غلام علی) قصّہ

۱۔ اُردو کی نثری داستانیں ص ۱۳۱

رضوان شاہ و روح افزا (فائز) قصہ ابراہیم ادھم (محی الدین) قصہ بہلول صادق (بلّغی) قصہ ہشام و قمر (نامعلوم) قصہ طبیب موسیٰ (خلیل) قصہ نافرمان عورت (مخدوم) اور قصہ طالب و موہنی (والہ) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

دکنی نثری داستانوں میں قصہ گل و ہرمز، قصہ انار رانی، قصہ ہارون رشید، حکایت زن و برہمن، حکایت مسافرت، شاہزادہ بنگالہ، حکایت زن راکھش، قصہ بندگان عالی، قصہ ملکہ زمان و کام کندلہ، داستان امیر حمزہ، طوطی نامہ، افسانہ ہندی، بہارِ دانش کے ترجمے، لیلیٰ مجنوں، سنگھاسن بتیسی، حکایت ہائے عجیب و غریب، طوطا کہانی، قصہ حیرت فزا، دکھنی انوار سہیلی، قصہ کام روپ، قصہ اگر گل، قصہ منظم شاہ و چتر ریکھا، تنادلی، حکایت الجلیلہ، قصہ ملکہ روم و نقیہ، قصہ قاضی و چور، قصہ سوداگر، قصہ لارڈ کیور اور قاضی اور شمس النصائح وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

عربی اور فارسی قصّے اُردو افسانے کے مورث اعلیٰ اور پیش رو ہیں۔ ان زبانوں کے تمام مشہور قصّے اُردو میں منتقل ہو چکے ہیں۔ عربی کی مشہور داستانوں میں الف لیلہ و لیلہ اور السندباد وغیرہ قابلِ ذکر ہیں اور عربی حکایتوں میں "حکایات کلیلہ و دمنہ" حکایات الصالحین اور حکایات للاطفال وغیرہ بڑے مقبول ہوئے۔ "کلیلہ و دمنہ" دراصل سنسکرت "پنچ تنتر" کا ترجمہ ہے۔ یہ عربی ترجمہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عہد میں ۷۶۰ء کے قریب ہوا۔ اس کے مترجم عبداللہ ابن المقفع تھے۔ آج اصلی سنسکرت اور پہلوی ترجمے مفقود ہیں۔

عرب میں داستان گوئی ایک باضابطہ فن تھا۔ یہ فن عہدِ جاہلیت میں بڑے

عروج پر تھا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں داستان گوئی کو پھر بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ عربی کی طرح فارسی میں بھی داستانوں اور حکایتوں کو بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ قصہ حاجی بابا اصفہانی میں ایرانی داستان سراؤں کا تذکرہ ہے۔ فارسی میں بکثرت حکایات ملتی ہیں جن میں حکایات الصالحین، حکایات عاشقان، حکایات اعرابی، حکایات العابد، حکایات انصاف سوداگر، حکایت پادشاہ ہندوستان و عابد، حکایت سلیمان پیر و سلیمان پیغمبر، حکایت عیسیٰ، حکایت حضرت موسیٰ و اعرابی، قصہ مرد اعرابی و زن بدکارا، حکایت خواجہ حسن بصری، حکایت داراشکوہ، حکایت زن صالح و مرد فاسق، حکایت سکندر پادشاہ ذوالقرنین، حکایت سلطان سنجر، حکایت فیروز شاہ، حکایت سلیم، حکایت شاہ نظام، حکایت شیخ بایزید، حکایت عابد و بقال، حکایت فرخ شاہ، حکایت مبارک شاہ اور حکایت مردان شاہ وغیرہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ خود گلستانِ سعدی میں ہزاروں حکایتیں ہیں جن کے دکنی اور اردو میں متعدد ترجمے بھی ہوئے۔ لیکن گلستان کی حکایتوں میں کہانی کم اور اخلاقی نصیحتیں زیادہ ہیں۔ اس لیے افسانوی ادب میں گلستان کو کوئی ممتاز جگہ نہیں دی جاتی۔ اخلاق محسنی میں بھی حکایات ہیں جن کا میر امن نے "گنج خوبی" کے نام سے اُردو ترجمہ کیا۔

فارسی قصے اردو سے بہت قریب ہیں۔ فارسی کی مشہور داستانیں ایران میں کم اور ہندوستان میں زیادہ تحریر کی گئیں ہیں۔ مشہور فارسی داستان امیر حمزہ کی فضا و معاشرت ہندوستانی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں کہ سترھویں صدی میں اصفہان کے ایک درویش نے "ہزار و یک روز" لکھا جس کا ماخذ ہندوستانی قصے ہیں۔ ان کے علاوہ ہفت سیر حاتم، گل بکاولی، چہار درویش، بوستانِ خیال، گلِ صنوبر وغیرہ

میں داستان اپنے عروج پر نظر آتی ہے یہ سب قصے غالباً ہندوستان کی سرزمین پر وجود میں آئے[1]

جدید ہندوستانی نثر کی پہلی داستان "نوطرزِ مرصع" سمجھی جاتی ہے۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کی تحقیق کے مطابق اس قصے کی داغ بیل ۱۷۷۵ء سے بہت پہلے پڑ چکی تھی البتہ ختم ۱۷۷۵ء سے کچھ پہلے ہوا[2] میر عطا حسین خان تحسین نے چہار درویشوں کی مشہور داستان کو "نوطرزِ مرصع" کے نام سے فارسی سے اردو میں منتقل کیا۔ پروفیسر حامد حسن قادری کا بیان ہے کہ نوطرز مرصع میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب و تشبیہات و استعارات کی اتنی کثرت ہے کہ بعض فقرے دشوار فہم ہونے کے علاوہ مذاقِ سلیم کے لیے نہایت ثقیل و مکروہ ہیں[3]

"قصہ مہر افروز و دلبر" بھی اردو کی ایک اہم داستان ہے اس کو پروفیسر گیان چند جین شمالی ہند کی سب سے قدیم داستان قرار دیتے ہیں۔ یہ داستان پروفیسر مسعود حسین خاں کے عالمانہ مقدمہ کے ساتھ ۱۹۶۶ء میں شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہو چکی ہے۔ شمالی ہند کی ابتدائی نثری داستانوں میں "عجائب القصص" بھی ایک اہم ادبی داستان ہے اس کو شاہ عالم ثانی کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔ اس قصہ کو راحت افزا بخاری نے ڈاکٹر سید عبداللہ کے مقدمہ کے ساتھ مرتب کر کے ۱۹۶۵ء میں

۱۔ اردو کی نثری داستانیں ص ۴۱ - ۴۲ اترپردیش اردو اکاڈمی سنہ ۱۹۸۷ء

۲۔ مقدمہ نوطرز مرصع ص ۲۹ - ۳۰ مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی

۳۔ داستان تاریخ ادب اردو ص ۵۷ تیسرا ایڈیشن

پاکستان سے شائع کیا ہے۔ "عجائب القصص" اردو کی قدیم داستانوں میں شمار ہوتی ہے اس کے مصنف اور زمانہ تصنیف کے متعلق ابھی پوری تحقیق نہیں ہوئی۔

سید حسین شاہ حقیقت نے ایک خویرو سپاہی کی داستان عشق جو مرہٹوں کی قید تھا "جذب عشق" کے نام سے لکھی ہے۔ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب کا بیان ہے کہ حقیقت کے بڑے بھائی سید محمد حسن شاہ ضبط نے فارسی میں ایک کہانی ۱۷۹۰ء میں لکھی تھی۔ حقیقت نے اپنے بھائی کے ارشاد کے مطابق اس کہانی کو ۱۷۹۷ء میں اردو میں منتقل کیا۔ مادۂ تاریخ "ہے یہ جذب عشق آہ" ہے جس سے ۱۲۱۲ھ برآمد ہوتا ہے[۱]۔ حقیقت نے اصل قصے کو سلیس، رنگین اور دلچسپ عبارت میں ترتیب دیا ہے۔ اس طرح ترجمہ میں طبع زاد کہانی کا لطف پیدا ہو گیا ہے اور وہ مستقل تالیف معلوم ہوتی ہے۔ "جذب عشق" کی کہانی اردو کی ضخیم داستانوں اور انیسویں صدی کے ناولوں کے درمیانی عہد کی ہے اس لیے اہمیت کی حامل ہے۔

انشاء کی تصنیف "رانی کیتکی کی کہانی" بھی اردو کی ایک مشہور داستان ہے اگرچہ انشاء نے اسے کہانی کہا ہے۔ یہ طویل کہانی ۱۸۰۸ء کی تصنیف ہے۔

انیسویں صدی کے آغاز سے اردو داستان کی ایک نئی شاہراہ سامراجی انگریزوں کے قائم کردہ اداروں فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کی بدولت قائم ہوئیں۔ فورٹ ولیم کالج میں داستانوں کی کوئی پندرہ بیس کتابیں تیار ہوئیں جن میں سید حیدر بخش حیدری کی طوطا کہانی اور آرائش محفل،

۱۔ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب: میر حسین شاہ حقیقت حالات اور تصنیفات ص ۱۳۷ مطبوعہ ماہ نامہ "معارف" اعظم گڑھ۔ اگست ۱۹۶۸ء

خلیل خان اشک کی داستانِ امیر حمزہ، میر امن کی باغ و بہار و گنجِ خوبی، میر بہادر علی حسینی کی نثر بے نظیر و اخلاقِ ہندی، نہال چند لاہوری کی مذہبِ عشق یعنی قصہ گل بکاولی، للولال جی و کاظم علی جوان کی سنگھاسن بتیسی تو طویل کہانیاں ہیں اور ان میں فوقِ فطرت عناصر کی بڑی کثرت ہے۔

شمالی ہند میں جس طرح فورٹ ولیم کالج ایک اہم علمی مرکز تھا اسی طرح جنوبی ہند میں فورٹ سینٹ جارج کالج بھی ایک اہم علمی ادارہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کا ذکر اردو ادب کے مورخین نے نہیں کیا حالانکہ یہ کالج انیسویں صدی کے تین چار دہوں تک اردو زبان خصوصاً دکنی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کا ایک اہم مرکز تھا۔ ان دونوں اداروں کے مقاصد یکساں تھے یہ ادارے جونیر سیول ملازمین کی تعلیم و تربیت اور انھیں ہندوستانی زبانوں سے واقف کروانے کے مقصد سے قائم کیے گئے تھے لیکن فورٹ سینٹ جارج کالج کو فورٹ ولیم کالج پر ایک طرح کی برتری حاصل تھی کیونکہ یہاں اردو اور دکنی زبان و ادب کے ساتھ قانون، ریاضی، عربی و فارسی کے علاوہ دوسرے ملکی زبانوں جیسے تلگو، تامل اور ملیالم وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہاں صرف منشی (رائٹر) ہی نہیں آتے تھے بلکہ وکلاء اور ججوں وغیرہ کو بھی تربیت دی جاتی تھی۔

فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی طرح فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کے قیام کا مقصد بھی اہلِ ہند کا فائدہ نہیں تھا۔ بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی تجارتی اور حکومتی اغراض کے لیے اپنے ملازمین کو ہندوستانی زبانوں، ہندوستانی رسم و رواج اور ہندوستانی طور طریقوں سے واقف کروانا چاہتی تھی۔

ہندوستان کی تاریخ کا یہ وہ زمانہ ہے جب کہ سلطنت مغلیہ کے اقتدار کو زوال آچکا تھا۔ سرکاری زبان کی حیثیت سے فارسی کی وہ منزلت باقی نہیں رہی تھی جو مسلمانوں کے اقتدار کے زمانہ میں تھی۔ اس وقت سارے ہندوستان میں اردو ہی ایک ایسی زبان تھی جو عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے دوسری ملکی زبانوں کے مقابلے میں اردو کی زیادہ سرپرستی کی۔۔ اور جہاں کلکتہ میں ہندوستانی (اردو) میں کتابیں تیار کی جارہی تھیں وہیں مدراس میں اردو کی قدیم شکل "دکنی" کا پرچار ہو رہا تھا اور اس کی توسیع و اشاعت سے خاطر خواہ دلچسپی لی جارہی تھی۔

سامراجی انگریزوں نے اردو اور دکنی میں اپنے ادب کو منتقل کرنے کے بجائے عربی، فارسی و سنسکرت کی مقبول عام کتابوں کا ہندوستانی (اردو) اور دکنی (ہندی کے نام سے یا کرناٹکی محاورہ میں) ترجمہ کروایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو خود اہل ہند ان سے دلچسپی لیتے تھے اور دوسری طرف اہل ہند کے مذاق و خیالات کے سمجھنے میں ان سے مدد مل سکتی تھی اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر اثر ہندوستان میں اردو نثر نگاری کی تحریک آگے بڑھی۔ اردو نثر کے فروغ و اشاعت میں سامراجی انگریزوں کا جو حصہ رہا ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے فورٹ سینٹ جارج کالج کو بالکل افادی بنیاد پر قائم کیا تھا۔ نظمائے کمپنی کا اصل منشاء مدراس میں چند ارباب قلم کو یکجا کرکے ان سے اپنے انگریز اہل کاروں اور عہدہ داروں کے لیے ایسی سلیس درسی کتابیں لکھوانا تھا جن کا انداز بیان شاعرانہ نزاکتوں اور لفظی موشگافیوں کی بجائے سیدھا سادا

سادہ اور عام فہم ہو۔ کالج کے ارباب اقتدار نے چوں کہ عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے ساتھ ہندوستانی و دکنی زبان کو بھی نصاب میں شامل کیا تھا اس لیے فورٹ سینٹ جارج کالج کی طرف سے ان تمام زبانوں کی کتابوں کی اشاعت عمل میں آتی رہی۔ اگرچہ کہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے قائم ہونے سے پہلے ہی صوبہ کرناٹک (مدراس) میں اردو تصانیف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا لیکن کوئی باقاعدہ اور منظم تحریک موجود نہ تھی۔ مصنفین اپنے طور پر تصنیف و تالیف میں مصروف تھے اور نثر کے مقابلے میں نظم کی طرف اہل قلم زیادہ مائل تھے۔ فورٹ سینٹ جارج کالج کی ذمہ دار شخصیتوں نے سلیس اور عام فہم نثر نگاری کا مقصد متعین کر کے کام شروع کیا تھا۔ وہ کالج کے اساتذہ سے آسان زبان میں کتابیں لکھوا رہے تھے۔ اس طرح فورٹ سینٹ جارج کالج جنوبی ہند کا پہلا علمی و ادبی ادارہ تھا جو دکنی زبان و ادب کے فروغ و اشاعت کے لیے باقاعدہ اور منظم طریقے پر کام کر رہا تھا۔ فورٹ سینٹ جارج کالج میں زیادہ تر جنوبی ہند کے علما اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے ارباب قلم کو یکجا کیا گیا تھا۔ غرض فورٹ سینٹ جارج کالج کی تحریک سے نہ صرف اردو اور دکنی زبان و ادب کا نثری ادب پیدا ہوا بلکہ اس کی اشاعت کے ذرائع بھی مہیا ہوئے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے پہلے طباعت کا انتظام ہی نہیں تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلکتہ اور مدراس میں ٹائپ پریس قائم کیے۔ فورٹ ولیم کالج اور فورٹ سینٹ جارج کالج کے مصنفین کی کتابیں ان مطبعوں سے شائع ہونے لگی تھیں۔ طباعت کی سہولت نے بہت ہی قلیل عرصہ میں ان کتابوں کو سارے ہندوستان میں

عام کردیا اور خاص و عام ان کا مطالعہ کرنے لگے۔

فورٹ سینٹ جارج کالج کی نصابی کتابیں کالج پریس کے علاو
کے دو مشہور قدیم ترین مطبعوں، مطبع جامع الاخبار اور مطبع اعظ
سے بھی شائع ہوتی تھیں۔ فورٹ سینٹ جارج کالج کی دو نصابی کتا
درویش" اور "یکادلی" دور دور تک مشہور تھیں۔ یہ کتابیں مدرا
"جامع الاخبار" سے شائع ہوئی تھیں۔

فورٹ سینٹ جارج کالج کے چند اہم کارناموں میں ایک کارن
ہے کہ اس نے دکنی زبان و ادب کی سرپرستی کی جس طرح فورٹ ولیم ک
کارنامہ میں نمایاں حیثیت داستانوں کو حاصل ہے اسی طرح فورٹ سی
کالج کے اہم کارناموں میں داستانیں ہی سرفہرست ہیں۔ چنانچہ دکنی
حکایات الجلیلہ، سنگھاسن بتیسی اور ملکہ زماں و کام کندلہ کے ترجمے
والاشان" کی تعلیم کے لیے کیے گئے تھے۔ بیرون کالج کی کوئی تصنیف
کی سلاست اور اسلوب بیان کی دلکشی میں ملکہ زماں و کام کندلہ، سنگ
اور حکایات الجلیلہ سے زیادہ بہتر نہیں۔

انوار سہیلی ایک ایسی مقبول عام کتاب ہے جس کا دنیا کی متعدد
ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کی حکایتوں نے ہر ملک کے شعر و ادب پر اپنے گ
چھوڑے ہیں۔ اس کتاب میں حکومت کے رموز اور اخلاقی نصیحتوں کو کہا
پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور جانوروں کے ذریعہ سیاست سکھائی گئی ہے
جوڑ توڑ کا جواب ہو سکے۔ انوار سہیلی کی اصل سنسکرت "پنچ تنتر" ہے جس

ترجمہ کلیلہ و دمنہ کے نام سے ہوا۔

فورٹ سینٹ جارج کالج نے آسان، سلیس اور عام فہم نثر نگاری کی ایک شان دار روایت قائم کردی۔ بقول ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس و صدر شعبہ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی "یہ دکنی زبان و ادب کا وہ اہم ادارہ تھا جس کو تاریخِ ادب میں جگہ نہیں ملی لیکن جس نے زبانِ اُردو کی مشاطگی میں حسبِ حیثیت حصّہ لیا تھا۔"[۱]

فورٹ سینٹ جارج کالج کے نصاب میں اس کالج کے مشہور اہلِ قلم محمد مہدی واصف (متوفی ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء) کی فارسی حکایات دل پسند، لطائف عجیبہ اور حکایات نادرہ بھی شامل تھیں۔ حکایات دلپسند" دراصل حضرت لقمان کی وہ حکایتیں ہیں جن میں حیوانات وطیور کے قصّے بیان کیے گئے ہیں ہر حکایت کے ساتھ بطورِ استنتاج (استنباط) نتیجہ و خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی اور فارسی سے بھی چند حکایتیں اس میں شامل ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۲۶۳ھ م ۱۸۴۷ء میں مدراس سے شائع ہوئی اور بڑی مقبول ہوئی۔ دوبارہ شعبان ۱۲۹۷ھ م اگست ۱۸۸۰ء میں محمد غیاث الدین معتمد صدر المہام متفرقات علاقہ تعلیمات ملک نظام حیدر آباد دکن کی فرمائش، طلباء کے فائدے اور مہدی واصف کے صاحب زادے منشی محمد عبدالعزیز کی رضا جوئی کی خاطر مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری میں" حکایاتِ دلپسند" کے یہ دونوں مطبوعہ نسخے موجود ہیں لیکن " لطائف عجیبہ" اور " حکایات نادرہ" نایاب ہیں یا ہماری نظر سے نہیں گذرے۔

۱۔ فورٹ سینٹ جارج کالج (مضمون) مطبوعہ ہماری زبان ۸ ستمبر ۱۹۷۰ء

فورٹ سینٹ جارج کالج کی جانب سے "عربی حکایت لطیفہ" بھی شائع ہوئی تھی۔ اس کا ایک اشتہار جامع الاخبار' مدراس جلد ۱۳ نمبر ۱۵ مورخہ ۱۶/ جنوری ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کی قیمت آٹھ آنے تھی۔ یہ عربی نسخہ اب نایاب ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "حکایاتِ لطیفہ" کے نام سے ۱۴/ ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۴۷ء کو مطبع جامع الاخبار مدراس سے شائع ہوا۔ یہ مطبوعہ کتاب بھی اب کم یاب ہے۔ اس کے صرف ایک نسخہ کا پتہ چلا ہے جو محمڈن پبلک لائبریری والاجاہ روڈ مدراس میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب فورٹ سینٹ جارج کالج کے مبتدیان ہندی (دکنی) کے لیے شائع ہوئی تھی۔ یہ (۴۹) صفحات پر مشتمل ہے اس میں جملہ (۳۴) حکایتیں درج ہیں۔ یہ ساری حکایتیں آسان، عام فہم اور سلیس دکنی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ یہ حکایتیں ترجمہ ہیں لیکن اس خوبی سے انھیں اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے کہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتیں۔ یہ حکایتیں اردو کی اولین حکایتوں میں شمار ہوتی ہیں۔ اس طرح کی مختصر کہانیوں کا کوئی اور قدیم ترین نسخہ ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ صرف اس ایک کتاب کے علاوہ فورٹ سینٹ جارج کالج اور فورٹ ولیم کالج کی جانب سے مختصر کہانیوں کی کوئی اور کتاب شائع نہیں ہوئی۔ یہ ساری کہانیاں بڑی سبق آموز ہیں۔ اور بڑی مقبول ہوئیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۳ء میں اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۱۰ء میں مطبع مجتبائی لکھنو سے حسب فرمائش حافظ محمد عبدالعزیز شائع ہوا۔ ۱۸۷۵ء میں اس کا انگریزی ترجمہ (۷۲) صفحوں میں بیسن (Bassin) سے شائع ہوا۔ اور فارسی ترجمہ ۱۹۱۴ء میں حاجی محمد سعید تاجر کتب کلکتہ کی فرمائش پر مطبع مجیدی کانپور سے محمد عبدالمجید کے اہتمام سے شائع ہوا۔ ادارہ ادبیات اردو

حیدرآباد میں حکایت لطیفہ کا ایک فارسی مخطوطہ بھی موجود ہے۔ (جدید نمبر ۱۹۲۲ - قدیم نمبر ۲۷۲۹) یہ مخطوط (۳۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں (۷۵) حکایتیں ہیں۔ نہ اس کتاب کا کوئی دیباچہ ہے اور نہ کوئی ترقیمہ۔ مصنف یا مترجم اور سنہ تالیف کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔

اُردو "حکایات لطیفہ" کے اب تک تین مخطوطوں کا پتہ چلا ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد میں، دوسرا قومی عجائب گھر (نیشنل میوزیم آف پاکستان) کراچی میں اور تیسرا مخطوط اڈنبرا یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ اڈنبرا یونیورسٹی کے مخطوطے کا تعارف مولوی نصیرالدین ہاشمی مرحوم نے "یورپ میں دکنی مخطوطات" میں کروایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے میں (۵۰) ورق ہیں خط نستعلیق ہے تاریخ کتابت وغیرہ درج نہیں ہے۔ اڈنبرا یونیورسٹی کے کیٹلاگ میں بھی مصنف اور تاریخ تصنیف کی صراحت نہیں ہے۔ ہاشمی صاحب بتاتے ہیں کہ اس مخطوطہ میں کئی ایک اخلاقی حکایات ہیں چونکہ کل (۷۶) حکایات ہیں اس لیے ہر ایک کے متعلق صراحت دشوار ہے۔ انھوں نے نمونے کے طور پر اس کی پہلی حکایت نقل کی ہے[1] ہاشمی صاحب نے اس مخطوطے کا نام "حکایات لطیف" (اخلاق ہندی) لکھا ہے۔

ڈاکٹر زور نے "اردو شہ پارے" میں اڈنبرا یونیورسٹی کے مخطوطے سے دو حکایات "آدمی اور لباس" اور "دو مصور" بطور نمونہ دی ہیں[2] اور لکھا ہے کہ یہ دو مختصر

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو یورپ میں دکنی مخطوطات ص ۵۶۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء

۲۔ اردو شہ پارے (جلد اول) ص ۳۳۴ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۲۹ء

قصے ایڈنبرا یونیورسٹی کے اس اُردو مخطوطے سے ماخوذ ہیں جس کا نام "اخلاقِ ہندی" ہے اور جس کے مصنف اور سنہ تصنیف وغیرہ کے متعلق فی الحال کوئی علم نہیں ہو سکا تاہم زبان کی خصوصیات کے مدِ نظر ڈاکٹر زورؔ کا خیال ہے کہ یہ دِلّی کے کسی ہم عصر ادیب کا کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر زورؔ نے مزید لکھا ہے کہ زبان اور مطالب دونوں کے لحاظ سے یہ قصے خود اس قدر دلچسپ ہیں کہ ان کے متعلق کچھ لکھنا لاحاصل ہے[۱]

نیشنل میوزیم آف پاکستان (قومی عجائب گھر) کراچی میں انجمن ترقی اُردو پاکستان کی مخطوطات اور ڈاکٹر عبدالحق کا کتب خانہ خاص محفوظ ہیں اپنے حالیہ سفرِ پاکستان کے دوران مجھے قومی عجائب گھر کراچی میں انجمن ترقی اُردو کی متعدد اُردو مخطوطات کو دیکھنے اور ان سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ وہاں میں نے "حکایات لطیفہ" کا مخطوط بھی دیکھا جس کا نمبر ۳۳/۱۴ ہے۔ اس مخطوط کا تذکرہ "مخطوطات انجمن ترقی اُردو" جلد اول مرتبہ افسر صدیقی امروہوی و سید سرفراز علی رضوی (مطبوعہ ۱۹۶۵ء) میں مجموعہ حکایات (حکایات عجیبہ) کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس مخطوطے کی تاریخ کتابت ۷/ صفر ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۲/ دسمبر ۱۸۵۰ء ہے۔ یہ کتاب دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصّے میں (۷۶) نتیجہ خیز و اخلاق آموز مختصر حکایتیں ہیں۔ ان حکایتوں کو "نقل" کے نام سے لکھا گیا ہے اس طرح اس مجموعہ میں جملہ (۷۶) نقلیں ہیں۔ یہ حصّہ (۶۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ افسر صدیقی امروہوی نے غلطی سے (۷۵) صفحات لکھا ہے۔ اس مخطوطے کے دوسرے حصّے میں چالیس حکایتیں ہیں اس حصّہ کا نام "حکایاتِ عجیبہ" ہے۔

۱۔ اُردو شہ پارے (جلد اول) ص ۴۳۳۔ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۲۹ء

یہ (۵۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ "حکایات عجیبہ" میں بعض حکایت کا تعلق رسولِ اکرم صلعم کے فرمودات سے ہے اور بعض حضرت حسن بصریؒ حضرت رابعہ بصریؒ، حضرت شیخ ابراہیم ادھمؒ، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت ذوالنون مصری وغیرہ جیسے اکابر کے اقوال و نصائح سے متعلق ہیں۔ دونوں حصوں کے درمیان کچھ سادہ صفحات ہیں۔ ان سادہ صفحات میں سے ایک صفحہ پر یہ عبارت درج ہے:

"برادرم شمس الدین و زین العابدین از جانب شاہ شرف الدین
یحییٰ منیری معلوم نماید کہ اگر کسے بامید خوش نویسی و خوش قلمی تا پہل
بار بلا ناغہ بنویسد البتہ بمراد خود برسد اگر فردا روز قیامت دامنگیر باشد"[۱]

اس طرح اس مخطوطے کے دو حصّے دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ مجموعہ حکایات کا پہلا حصّہ دکنی میں ہے اور دوسرا حصّہ یعنی "حکایات عجیبہ" جدید اردو میں ہے۔

مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان جلد چہارم مطبوعہ ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۱۳ پر بھی "مجموعہ حکایات" کا پھر ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح ایک ہی نسخہ کا دوبار تذکرہ ہوا ہے۔

یہ "مجموعہ حکایات" کس کی تصنیف ہے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ "حکایات لطیفہ" کا جو مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں موجود ہے اس سے بھی مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ نہیں چلتا کیوں کہ یہ

۱۔ ملاحظہ ہو مخطوطہ "مجموعہ حکایات" نمبر ۳۱ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی)

مخطوطہ ناقص الآخر ہے اس میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس میں کتاب سے پہلے ایک ورق پر " ایں کتاب خیابانِ مہدی " لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے مشہور اہلِ قلم و استاد مولوی محمد مہدی واصف کا ترجمہ ہے۔ ہم نے اوپر بتایا ہے کہ ان کی فارسی کتابیں حکایات دلپسند، لطائف عجیبہ اور حکایت نادرہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے نصاب میں شامل تھیں۔

"حکایات دلپسند" کے دونوں مطبوعہ ایڈیشن تو ہماری نظر سے بھی گذرے ہیں جو عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ڈاکٹر زورؔ نے تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو جلد پنجم میں حکایات لطیفہ کے مخطوطے کا نام "خیابانِ مہدی" ہی لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ " خیابانِ مہدی " کے ساتھ جو دوسرے اردو رسالے نقل کیے گئے ہیں ان کا ترقیمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بہ مقام سیتابنڈھ (قریب شہر ناگپور و کامٹی) ۱۸۶۷ء میں سپاہی محمد رسول ۱۸ رجمنٹ لائٹ کمپنی کے پڑھنے کے لیے نقل کیا گیا ہے ؎[1]

محمد مہدی واصف کا ۳۰ رجب ۱۲۹۱ھ مطابق اگسٹ ۱۸۷۴ء حیدرآباد میں انتقال ہوا[2]۔ اس طرح یہ مخطوطہ ان کی زندگی ہی میں نقل ہوا ہے مطبوعہ نسخے بھی جو ۱۸۴۷ء اور ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئے وہ بھی ان کی حیات ہی میں طبع ہوئے۔

حکایات لطیفہ کا تذکرہ انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کی فہرستوں کے علاوہ

۱۔ تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو جلد پنجم ص ۱۵۲ مطبوعہ حیدرآباد

۲۔ محمد مہدی واصف کے تفصیلی حالات اور ان کی علمی خدمات کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتابیں "مدراس میں اردو ادب کی نشو نما" یا "فورٹ سینٹ جارج کالج" مطبوعہ ۱۹۷۹ء حیدرآباد

اڈنبرا یونیورسٹی کے عربی و فارسی قلمی نسخوں کی فہرست میں بھی ہے۔

انڈیا آفس کی فہرست میں لکھا ہے:

حکایاتِ لطیف از محمد عبدالعزیز ۲۱ صفحے سنہ ۱۸۶۳ء انگریزی ترجمہ (۷۲) صفحوں میں بیسن (Bassein) میں سنہ ۱۸۷۵ء میں شائع ہوا۔

برٹش میوزیم کی فہرست میں لکھا ہے:

حکایاتِ لطیف فارسی کا ترجمہ ۹۴ صفحے مدراس سنہ ۱۸۴۷ء اصل (۷۶) سے صرف (۳۴) کا ترجمہ محمد عبدالعزیز مدراس کی حکایاتِ لطیف کا لفظی انگریزی ترجمہ (۷۲) کہانیوں کا سنہ ۱۸۷۵ء میں بیسن (Bassein) سے شائع ہوا۔

اڈنبرا یونیورسٹی کے عربی و فارسی قلمی نسخوں کی فہرست میں لکھا ہے:

حکایتِ لطیف (۷۶) چھوٹی کہانیاں عربی و فارسی سے قدیم زبان میں ترجمہ[1]

اردو حکایاتِ لطیفہ کے تین مخطوطے جو ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد، قومی عجائب گھر کراچی اور اڈنبرا یونیورسٹی میں محفوظ ہیں۔ ان تینوں نسخوں میں الفاظ اور تلفظ کا خفیف سا فرق ہے جو غالباً مختلف کاتبوں کے نقل در نقل سے ہو گیا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے بھی یہی رائے اپنے مقالے "اردو کی نثری داستانیں" میں ظاہر کی ہے۔

۱۔ انڈیا آفس، برٹش میوزیم اور اڈنبرا یونیورسٹی کے قلمی نسخے کی اطلاع محترم پروفیسر گیان چند جین صاحب کے خط سے ہوئی جس کے لیے میں ان کا شکر گذار ہوں۔

فورٹ سینٹ جارج کالج میں دکنی کے مبتدیوں کی تعلیم کے لیے حکایاتِ لطیفہ کی (۷۶) کہانیوں کے منجملہ صرف (۳۴) ایسی حکایتیں جو نتیجہ خیز اور اخلاق آموز تھیں شائع کی گئیں جو حکایتیں ذرا شوخ اور رنگین تھیں انھیں ترک کر دیا گیا۔
زیرِ نظر کتاب میں ابتدائً فورٹ سینٹ جارج کالج کے مطبوعہ نسخہ کی حکایتیں درج کی گئی ہیں بعد میں ضمیمہ میں وہ حکایتیں ہیں جو مطبوعہ نسخہ میں شامل نہیں کی گئیں تھیں۔ اس طرح زیرِ نظر کتاب میں حکایاتِ لطیفہ کا مکمل متن پیش کیا گیا ہے۔

حکایاتِ لطیفہ کا اولین مطبوعہ نسخہ جو ۱۸۴۷ء میں مدراس سے شائع ہوا اس کی زبان پر دکنی اثر نمایاں ہے۔ لیکن یہ دکنی عام فہم، سلیس اور آسان ہے۔
ڈاکٹر زورؔ نے بھی اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ اس رسالے میں مختلف لطیفے اور دلچسپ قصے سادہ دکنی زبان میں قلم بند کیے گئے ہیں[۱]

اس رسالے کی زبان کے متعلق پروفیسر گیان چند نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "مجموعہ حکایات" کی زبان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اٹھارویں صدی کے اوائل یا نصف اول کی تصنیف ہوگا[۲] لیکن یہ اتنا قدیم نہیں ہے تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانا ہے۔ مگر اس کتاب کے املا پر قدیم رنگ کی چھاپ ہے۔ قدیم دکنی الفاظ کا بکثرت استعمال ہوا ہے جیسے وہ کو وے، اس کو تس، کبھی کو کبھو، کسی کو کسو، ہے کو ہی، اے کو ای، لمبے کو لنبے، دسترخوان کو دستارخوان، چُرانا کو چورانا،

۱۔ تذکرہ مخطوطات ادارۂ ادبیاتِ اردو جلد پنجم ص ۱۵۲

۲۔ اردو کی نثری داستانیں ص ۱۳۸

جوں ہی کو جو ہیں، چاول کو چانول، اندھا کو اندہا، پاؤں کو پانوں، دونوں کو دونو، ماں کو ما، ہوگی کو ہوگی، انگور کو انگور، گالی کو کالی، طمانچہ کو طبانچہ، پکڑا گیا کو بنیٹر گیا اور سال گزشتہ یا پچھلے سال کو پارسال لکھا گیا ہے۔

اسم کی جمع بنانے کے لیے دکنی زبان میں عام طور پر "ا" اور "ں" کا اضافہ کیا جاتا ہے اس کتاب میں اسی عام اصول پر عمل کیا گیا ہے۔ جیسے جاسوس کی جمع جاسوساں، دانت کی جمع دانتاں اور صبح کی جمع صباں وغیرہ

حکایات لطیفہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ ساری کہانیاں اخلاق آموز اور نتیجہ خیز ہیں۔ اس طرح زبان اور مطلب دونوں کے اعتبار سے حکایات لطیفہ کے قصے بڑے دلچسپ مفید اور سبق آموز ہیں۔

حکایات لطیفہ کا وہ مخطوطہ جو ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہے اس کا نام ڈاکٹر زور نے "خیابان ہندی" بتایا ہے جو اس مخطوطے کے شروع میں ایک ورق پر لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مترجم مہدی واصف ہیں۔ حکایات لطیفہ کا وہ نسخہ جو ۱۹۱۰ء میں مطبع مجتبائی لکھنؤ سے شائع ہوا وہ حسب فرمائش محمد عبدالعزیز ہے اور انڈیا آفس کی فہرست میں ۱۸۶۳ء کے نسخہ کو محمد عبدالعزیز کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ برٹش میوزیم کی فہرست سے بھی محمد عبدالعزیز ہی کے مصنف ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ محمد عبدالعزیز مہدی واصف کے فرزند ہیں وہ ۱۸۵۹ء میں مدراس میں پیدا ہوئے تھے۔

مہدی واصف کے تفصیلی حالات راقم الحروف کے مقالے "مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما" اور فورٹ سینٹ جارج کالج میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں مختصر طور

پر دونوں کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔

مہدی واصف کے آبا و اجداد موصل[1] کے صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور بہ سلسلہ تجارت ہندوستان آئے اور برہان پور میں سکونت اختیار کی تھی۔ مہدی واصف کے والد عارف الدین خاں رونق بیس سال کی عمر میں نواب ارکاٹ عمدۃ الامراء کی سرکار میں ملازم ہوئے اور نواب موصوف کے فرزند نواب تاج الامراء ماجد کے مصاحب مقرر ہوئے۔ رونق عالم فاضل اور فارسی کے جید شاعر اور باقر آگاہ کے تلامذہ سے تھے۔ ۱۸۵۵ء میں اُن کا انتقال ہوا۔

محمد مہدی واصف ۱۸۰۲ء م ۱۲۱۷ھ میں مدراس میں پیدا ہوئے۔ علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد اور اپنے وقت کے مشہور علماء سے کی اور صرف و نحو، منطق و معانی، عقاید، فقہ، حدیث اور تفسیر جیسے علوم سیکھے۔ اپنی فطری ذکاوت کی وجہ سے مختلف السنہ میں مہارت حاصل کی۔ عربی فارسی کے بلند پایہ عالم تھے۔ ترکی، فرنچ اور انگریزی کی قابلیت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ تلنگی، کنڑی، ٹامل، مراہٹی اور سنسکرت کے نہ صرف زبان داں بلکہ نوشت و خواند کی کافی استعداد رکھتے تھے۔ ۱۸۱۹ء میں جب کہ وہ سترہ سال کے تھے تراب علی نامی کے توسط سے فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس میں اہلِ فرنگ کی تعلیم کے لیے مامور ہوئے اور سترہ سال تک اپنے فرائض منصبی بحسن و خوبی انجام دیئے اور ۱۹۳۵ء میں وظیفہ حاصل کرلیا۔ اور بطور خود سال ہا سال درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور ترجمہ کتب کا کام انجام دیتے رہے۔

غرض مہدی واصف ۱۸۱۹ء سے ۱۸۳۵ء یعنی سترہ سال تک فورٹ سینٹ

۱. موصل بغداد (عراق) کے شمال میں ایک مشہور شہر ہے۔

سے وابستہ رہے۔ ان کی بعض کتابیں جیسے حکایات دل پسند، لطائف عجیبہ، اور حکایات نادرہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے نصاب میں شامل تھیں۔ فورٹ سینٹ جارج کالج سے وظیفہ پانے کے گیارہ سال بعد ۱۸۴۵ء میں محمد حسین شیریں سخن خاں راقم میر مجلس مشاعرہ اعظم کے حسن توسل سے نواب ارکاٹ محمد غوث خاں اعظم کی محفل مشاعرہ اعظم میں داخل ہوئے بعد میں محکمہ عالیہ میں مترجمی کی خدمت پر مامور کیے گئے۔ ۱۸۵۵ء میں نواب اعظم کی وفات پر واصف حیدرآباد آئے اور برسوں حیدرآباد کے مشہور مدرسہ دارالعلوم میں عربی کے استاد کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔ آخر ۲۱ رجب ۱۲۹۰ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۸۷۳ء کو حیدرآباد ہی وفات پائی۔

سخاوت مرزا کا بیان ہے کہ مہدی واصف سنی المذہب تھے۔ صحابہ کبار رض سے بے حد انسیت و اعتقاد تھا۔ میانہ قد و قامت سرخ و سپید رنگ گھنی داڑھی متوسط جسم اور گول چہرے کے آدمی تھے۔ ترچناپلی کے مولوی سید حامد عالم واعظ نقشبندی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اور صاحب اجازت تھے۔ حیدرآباد دکن کے قیام میں یہاں کے مشہور بزرگ مولانا محمد نعیم المعروف بہ مسکین شاہ صاحب کی عقیدت و ارادت سے مشرف ہوئے[۱]

سخاوت مرزا نے لکھا ہے کہ ابو محمد عمر الیافعی کا بیان تھا کہ مہدی واصف تقریباً تین سو کتب کے مصنف و مولف تھے لیکن سخاوت مرزا نے (۵۳) کتابوں

۱۔ حدیقۃ المرام مصنفہ مہدی واصف مترجم سخاوت مرزا۔ ص ۷ مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی ۱۹۸۲ء

کے نام گنائے ہیں اور لکھا ہے کہ کتب خانہ واصف میں کئی ہزار نایاب و نادر کتابیں تھیں جن میں بہت سی کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں داخل کردی گئیں[۱] تین سو کتابوں کا مصنف یا مولف ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

واصف اپنے عہد کے ایک بڑے ادیب، شاعر، مصنف، مترجم اور لغت نویس تھے۔ شمس الدین فیض جیسا استاد اپنے ہم عصر مہدی واصف کی عظمت کا معترف تھا۔ واصف کی (۳۲) کتابوں کا تعارف راقم الحروف کے مقالے "مدراس میں اردو ادب اردو ادب کی نشو و نما" میں موجود ہے۔ اُن کی کتابوں میں انگریزی، ہندوستانی اور فارسی لغت، دلیل ساطع (سنسکرت فارسی ہندی (اردو) لغت) مناظر اللغات (فارسی ہندی (اردو) لغت) ترجمہ کیمیائے سعادت، ترجمہ جلالین، تذکرہ معدن الجواہر، تذکرہ حدیقۃ المرام (عربی) قابلِ ذکر ہیں۔

واصف قادر الکلام شاعر بھی تھے انھوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اپنے دیوان چھوڑے ہیں۔ انھوں نے فارسی شاعری کے لیے واصف اور اردو شاعری کے لیے مسکین تخلص استعمال کیا ہے۔ چناں چہ ان کے فارسی دیوان کا نام ہی "دیوان واصف" اور اردو دیوان کا نام "دیوان مسکین" ہے۔ اردو نعتیہ دیوان "روضہ رضوان" بھی شائع ہو چکا ہے ان کا کلام زبان کی سلاست و پاکیزگی، طرز بیان کی دلکشی و سادگی اور شاعرانہ بلند خیالی کا عمدہ نمونہ ہے۔

غرض واصف نے اردو زبان کی بڑی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔

۱۔ حدیقۃ المرام مصنفہ مہدی واصف۔ مترجم سخاوت مرزا ص ۷ مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی ۱۹۶۵ء

ان کے نثری کارنامے ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے ۔ ایک ماہر لغت نویس کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں ۔

تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی واصف کو پانچ لڑکے تھے ۔ جن کے نام ہیں عبدالباسط عشق، عبدالعلی والہ، عبدالرحمٰن، عبدالعزیز اور عبدالکریم ۔

ان میں عبدالباسط عشق اور عبدالرحمٰن کے علم و فضل اور ذہانت کا ذکر مہدی واصف نے اپنی عربی تالیف حدیقۃ المرام میں کیا ہے ۔ مہدی واصف کی کتاب ترجمہ جلالین کے آخر میں جو تاریخی قطعات ہیں ان میں اُن کے دو فرزندوں محمد عبدالعزیز اور محمد عبدالکریم کے بھی قطعات شامل ہیں ۔ ان قطعات میں محمد عبدالعزیز کا تخلص کاشف اور محمد عبدالکریم کا تخلص والا لکھا ہے ۔ محمد عبدالعزیز ہی کی فرمائش پر حکایات لطیفہ ۱۹۱۰ء میں مطبع مجتبائی لکھنو سے شائع ہوئی ۔

محمد عبدالعزیز کی چند کتابیں ہماری نظر سے گذری ہیں ان میں تاریخ عزیز دکن، تحفہ اور اخلاق عزیزی ترجمہ مارلس آف سینکا قابلِ ذکر ہیں ۔ ان کتابوں کے مطالعے سے محمد عبدالعزیز کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔

۱ ۔ تاریخِ عزیز دکن : یہ کتاب دکن کی مختصر تاریخ ہے جو ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء میں مطبع نظامی سے شائع ہوئی ۔ دیباچہ سے مصنف کا نام اور اُن کے والد کا نام بھی معلوم ہوتا ہے ۔ عبدالعزیز نے اپنا پورا نام منشی محمد عبدالعزیز بن محمد مہدی واصف لکھا ہے ۔ دیباچہ میں انھوں نے بتایا ہے کہ ان کی بہت دن سے خواہش تھی کہ قطب شاہوں کی تاریخ لکھوں لیکن کثرت اشتغال و قلت فرصت سے تکمیل نہیں ہو رہی تھی ۔ عہدِ نواب میر محبوب علی خان آصف سادس میں انھیں فرصت ملی تو

قدیم تواریخ کی مدد سے دکن کی مختصر تاریخ لکھی اور اس کا نام " تاریخ عزیز دکن '' رکھا تاکہ " یہ یادگار بدست روزگار اس خاکسار سے رہے "۔

تاریخ عزیز دکن ، بہمنی سلطنت کے بانی افغان سردار ظفر خاں سے شروع ہوتی ہے جس نے سلطان علاءالدین حسن گنگو بہمنی کے نام سے دکن پر حکومت کی ۔ اس کا خاندان تاریخوں میں " خاندان بہمنی " کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے اٹھارہ بادشاہ دکن کے تخت پر بیٹھے پھر " ذکر سلاطین قطب شاہیہ " اور " آصف جاہی سلاطین '' کا تذکرہ ہے جو نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس کے ذکر پر ختم ہوتا ہے ۔ اس تاریخ میں عبدالعزیز نے نواب سر سالار جنگ مختار ملک کی وفات پر دو تاریخی قطعات بھی لکھے ہیں جس سے ان کی فارسی شاعری اور تاریخی قطعات سے دلچسپی اور مہارت کا اندازہ ہوتا ہے وہ تاریخی قطعات حسب ذیل ہیں :

چوں سفر کرد زیں جہاں خراب　　رکن اعظم کہ بود بحر کرم
بہ عزیز حزیں رسید ندا　　رفت سالار جنگ جائی ارم
۱۳۰۰

...

وزیر وفادار شاہِ دکن　　ز دنیا سفر کرد سالار ملک
کشیدہ سرآہ گفتہ عزیز　　شدہ جاں بحق نیک مختار ملک
۱۸۸۳

...

ان تاریخی قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالعزیز فارسی کے لیے عزیز تخلص استعمال کرتے تھے ۔

"تاریخ عزیز دکن" (۱۴۰۱) صفحات پر مشتمل ہے اس کے آخر میں مختلف شعراء کے تاریخی قطعات درج ہیں ان میں سید کاظم حسین شیفتہ، حکیم امتیاز حسین خاں واقف، عبدالواجد واجد، استاد سخن میر کاظم علی خاں شعلہ، تراب علی زور اور محمد عبدالعلی آسی قابل ذکر ہیں۔

حکیم امتیاز حسین خاں واقف ساکن دارالشفاء حیدرآباد کا تاریخی قطعہ اردو میں ہے ؎

لکھی ہے مولوی عبدالعزیز نیک طینت نے
عبارت سب فصیح اور کیفیت عمدہ ترکس طرح
ہوئی جس وقت تاریخ دکن باہتمام سے واقف
کتاب خوب و نادر ہو کہا دل نے میرے اس طرح
۱۳۰۳

میر کاظم علی خان شعلہ کا فارسی قطعہ تاریخ یہ ہے ؎

یکتائی زمانہ مولوی عبدالعزیز
تاریخ نوشت حال حکام زمن
شد ختم چو تاریخ سنش شعلہ بگفت
مطبوع بشد حالت شاہان دکن
۱۳۰۳

عبدالواجد واجد مولوی عبدالعزیز کے برادر زادے تھے۔ ان کا فارسی قطعہ بھی شامل کتاب ہے۔ عبدالعلی آسی نے تو ایک عمدہ تاریخی نظم ہی لکھ دی ہے۔

۲۔ تحفہ: یہ کتاب مدراس کے مطبع فردوسی سے شائع ہوئی ہے لیکن سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔ کتاب پر مصنف کا نام منشی محمد عبدالعزیز لکھا ہے۔ اس کتاب میں آئمہ اربعہ کی تقلید پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دلائل نقلیہ و عقلیہ نہایت عمدہ ہیں۔ زبان بہت صاف سادہ اور عام فہم ہے۔ دکنی کا ذرا بھی اثر نہیں ہے حالانکہ یہ کتاب "تاریخ عزیزیہ دکن" سے زیادہ قدیم معلوم ہوتی ہے۔ "تحفہ" سے چند جملے بطور نمونہ پیش ہیں جس سے عبدالعزیز کے طرز تحریر کا اندازہ ہوگا:

"خدمت برادران دینی میں یہ عرض ہے کہ اس زمانے میں ہر شخص نفس کے پھندے میں گرفتار، اخلاص و محبت معدوم ہا جدھر دیکھو اختلاف و فساد کی دھوم ہے۔ علم و عمل سے کسی کو سروکار نہیں ہر طرف جہالت کا بازار گرم ہے"[۱]

۳۔ اخلاق عزیزی ترجمہ مارکس آف سینکا: اخلاق عزیزی فلسفے کی انگریزی کتاب "مارکس آف سینکا" کا ترجمہ ہے جو دو جلدوں میں مطبع مرقع عالم ہردوئی سے شائع ہوئی ہے۔ سرورق پر مترجم منشی محمد عبدالعزیز لکھا ہے اس کے نیچے اُن کا عہدہ "کورٹ انسپکٹر ممالک مغربی و شمالی و اودھ حالی متعینہ ضلع شاہ جہاں پور" تحریر ہے۔ جلد اوّل کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ مترجم نے اپنے والد کی زندگی میں کیا ہے اور وہ اپنے والدین سے بوجہ سلسلہ ملازمت

۱۔ منشی محمد عبدالعزیز: تحفہ ص ۲ مطبوعہ مدراس

سرکاری مادور تنہا اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مقیم تھے۔ انھیں کسی قسم کا بیہودہ شوق نہیں تھا۔ اُن کا زیادہ تر وقت سرکاری ملازمت کے بعد اخبار اور کتب بینی میں گذرتا تھا۔ زندگی کے (۳۸) سال وہ بے فکری اور آرام سے گذارے لیکن جمعہ ۲۱ر اکتوبر ۱۸۹۷ء کو رائے بریلی کی تعیناتی کے زمانے میں ان کی ہونہار لائق، سلیقہ مند بیوی زچگی کے دوران ایک نئی جان کو جنم دے کر چل بسی۔ یہ غم اور چھ جانوں کی پرورش اور نگرانی کا بار ایک تنہا بدنصیب خانماں برباد کے کندھوں پر آپڑا۔ ان حالات میں تصنیف وتالیف اور ترجمہ کا کیسے ہوش رہتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

" میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میری کبھی یہ خواہش نہ تھی کہ میں نامور مصنف کہلاؤں یا کسی کتاب کا ترجمہ کر کے لائق مترجموں کی فہرست میں اپنا نام درج کراؤں اور یہ ارادہ ہوتا کیونکہ زبان اور قلم میں جب طاقت بھی ہو۔ یہ کام جو ہو گیا اس کا تو کہیں وہم اور گمان بھی نہ تھا بس بات یہ تھی کہ خدا کو ایسا ہی منظور تھا ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ " [۱]

منشی عبدالعزیز کے افسر اعلیٰ نے انھیں فلسفہ کی ایک عمدہ انگریزی کتاب " مارلس آف سینکا " دی۔ جسے پڑھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے۔ رنج وغم کے لمحات میں اس کتاب نے ان کے دل و دماغ کو سکون بخشا۔ ایک سال کی متواتر کوشش کے بعد انھوں نے اسے اردو کا جامہ پہنایا۔ " اخلاق عزیزی " ترجمہ " مارلس آف سینکا "

۱۔ منشی محمد عبدالعزیز اخلاق عزیزی جلد اول مر ص ۲ - ۳ مطبوعہ سہر دہلی ۱۹۰۱ء

دو جلدوں میں سنہ ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۳ء میں مطبع مرقع عالم ہردوئی سے شائع ہوئی اور مقبول ہوئی۔

منشی محمد عبد العزیز اپنی بیوی کے انتقال (سنہ ۱۸۹۷ء) کے وقت (۳۸) سال کے تھے اسی طرح ان کی پیدائش سنہ ۱۸۵۹ء میں ہوئی۔ برٹش میوزیم کی فہرست میں ۱۸۴۷ء کے ترجمہ حکایات لطیفہ کو محمد عبد العزیز کی تصنیف اور انڈیا آفس کی فہرست میں حکایات لطیفہ کے سنہ ۱۸۶۳ء کے نسخے کو محمد عبد العزیز کی تصنیف بتایا گیا ہے عبد العزیز سنہ ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں ان کا دنیا میں وجود ہی نہ تھا اور سنہ ۱۸۶۳ء میں وہ صرف (۵) سال کے تھے۔ اس طرح حکایات لطیفہ منشی محمد عبد العزیز کی تصنیف نہیں ہے۔ یہ مہدی واصف کی تصنیف ہے۔ ان کی کتابیں حکایات دل پسند، لطائف عجیبہ اور حکایات نادرہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے نصاب میں شامل تھیں اور پھر ادارہ ادبیات اردو کے نسخہ پر "خیابانِ مہدی" لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مہدی واصف کی کاوش ہے۔

حکایاتِ لطیفہ کا سنہ ۱۸۴۷ء کا نسخہ ہماری نظر سے گذرا ہے اس پر نہ محمد عبد العزیز کا نام ہے اور مہدی واصف کا۔ حکایات لطیفہ کا دوسرا نسخہ جو سنہ ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا وہ ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ تیسرا نسخہ جو سنہ ۱۹۱۰ء میں مطبع مجتبائی لکھنؤ سے شائع ہوا ہے اس پر حسب فرمائش منشی محمد عبد العزیز لکھا ہے۔ غالباً ۱۸۶۳ء کا نسخہ مہدی واصف نے اپنے چھوٹے فرزند محمد عبد العزیز کی خوشنودی کے لیے طبع کروایا ہے اور اس نسخہ پر حسب فرمائش تحریر ہو گیا جسے غلطی سے محمد عبد العزیز کی تصنیف ہی سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ سنہ ۱۸۶۳ء میں محمد عبد العزیز صرف

(۵) سال کے تھے۔ اتنے کم عمر لڑکے سے ترجمے اور تصنیف و تالیف کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ منشی عبدالعزیز کی مندرجہ بالا تصانیف اور حکایات لطیفہ کی زبان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس طرح یہ واضح ہوا کہ حکایات لطیفہ منشی محمد عبدالعزیز کی نہیں محمد مہدی واصف کی کاوش ہے۔

حکایاتِ لطیفہ کا مکمل متن پیش کرنے سے پہلے فورٹ سینٹ جارج کالج کی علمی ادبی خدمات کا ایک مختصر تحقیقی جائزہ پیش ہے۔ تاریخ ادب کی کتابوں میں اس اہم ادارہ کی تفصیلات نہیں ملتیں اور راقم الحروف کی کتابیں فورٹ سینٹ جارج کالج اور مدراس میں اُردو ادب کی نشو و نما بھی اب (out of stock) ہیں اس لیے فورٹ سینٹ جارج کالج کی کچھ اہم تفصیلات پیش ہیں۔

فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کی علمی ادبی خدمات

اٹھارویں صدی عیسوی کے شروع میں جب کہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی۔ انگریز کمپنی نے تجارتی اور حکومتی اغراض کے لیے اپنے ملازمین کو ہندوستانی زبانوں، ہندوستانی رسم و رواج اور ہندوستانی طور طریقوں سے واقف کروانا ضروری سمجھا کیوں کہ اس وقت کمپنی میں خدمت کے خواہش مند افراد جو ہندوستان پہنچ رہے تھے وہ مقامی زبانوں اور ہندوستانی تہذیب و تمدن سے بالکل بیگانہ ہوتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے انگلستان یا ہندوستان میں کوئی انتظام نہ تھا۔ اُس وقت کمپنی میں کئی عہدے تھے۔ جیسے نو آموز (Apprentice)، منشی (Writer)، گماشتہ (factor) جونیر مرچنٹ (Junior Merchant) سینیر مرچنٹ (Senior merchant)، کونسل (Council) - صدر (President) ان سب عہدوں میں منشی (Writer) کے عہدے کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ابتدا میں اس عہدے کے لیے معیارِ قابلیت کی کوئی شرط نہ تھی لیکن ۱۶۷۸ء کے قانون کے تحت منشیوں کا باقاعدہ تقرر شروع ہوا۔

ان کی بھرتی انگلستان میں ہوتی۔ اس عہدے کے لیے عموماً ایسے نوجوانوں کو منتخب کیا جاتا تھا جن کی عمریں پندرہ سے اٹھارہ سال کے درمیان ہوتیں۔ ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ سیول (کشوری) اور ملٹری (فوجی) دونوں ذمہ داریاں پوری کریں گے۔ منشیوں (Writers) کا تقرر پانچ سال کے معاہدہ پر سالانہ دس پونڈ پر کیا جاتا تھا۔ اس مدت کے ختم پر انھیں مزید تین سال کے لیے سالانہ بیس پونڈ پر دوبارہ مامور کیا جاتا تھا[1]۔

ان منشیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ہندوستان میں پہلی بار مدراس کے گورنر مسٹر جوزف کالٹ (Joseph Collect) نے ۱۷۱۷ء میں فورٹ سینٹ جارج اسکول کی بنا ڈالی۔ جسے بعض تذکروں میں رائٹرس کالج (Writer's college) کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ یہ ادارہ برسوں مدراس کے فورٹ سینٹ جارج کے احاطہ ہی میں کام کرتا رہا۔ اور آگے چل کر فورٹ سینٹ جارج کالج کے نام سے مشہور ہوا۔

۱۷۹۷ء میں جب لارڈ ویلزلی گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آیا تو اس نے سب سے پہلے ملازمین کو اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلانے کی ضرورت محسوس کی۔ اور ایک اسکیم بنا کر نظمائے کمپنی کو بھیجی اور ان سے ایک کالج قائم کرنے کی اجازت چاہی لارڈ ویلزلی نے نظمائے کمپنی کی منظوری کا انتظار کیے بغیر ۴ مئی ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا افتتاح کر دیا۔ اور اس کالج کو سیول ملازمین کی تربیت (ٹریننگ) کا ایک "مرکزی ادارہ" قرار دیا۔ گورنر جنرل کے حکم پر مدراس اور بمبئی سے سیول ملازمین اور آفیسرز اس کالج کو

۱۔ ڈاکٹر بی بی مشرا: دی سنٹرل ایڈمنسٹریشن آف دی ایسٹ انڈیا کمپنی ص ۳۷۹ مطبوعہ ۱۹۵۶ء

تعلیم کے لیے بھیجے جانے لگے ۔ لیکن ۱۸۰۲ء میں فورٹ ولیم کالج کی مرکزی حیثیت ختم کردی گئی اور مدراس گورنمنٹ نے اپنے منشیوں اور دیگر ملازمین کو ٹریننگ کے لیے کلکتہ بھیجنا بند کردیا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدراس اور بمبئی کی پریسیڈنسیوں کو یہ پسند نہ تھا کہ صرف کلکتہ پریسیڈنسی ہی میں یہ انتظام رہے اور اسی کو مرکزیت حاصل ہو ۔ اس کے علاوہ خود نظمائے کمپنی فورٹ ولیم کالج کے مخالف تھے انھوں نے کالج کو ختم کرنے کی بہترین ترکیب یہ سوچی کہ اس قسم کے متوازی کالج مدراس اور بمبئی میں بھی قائم کیے جائیں ۔ اس کے علاوہ مجلسِ نظماء نے ایک تجویز یہ بھی منظور کردی کہ فورٹ ولیم کالج کے بجائے خود انگلستان میں ایک اسی قسم کی درس گاہ قائم کردی جائے جس کے امتحانات پاس کیے بغیر کسی کو ہندوستان نہ بھیجا جائے ۔ چنانچہ ۱۸۰۵ء میں انگلستان کے ایک نواحی علاقے ہرٹ فورڈشایر میں ہیل بری کالج (Hailbary College) قائم کیا گیا اور مدراس کے قدیم مرکز فورٹ سینٹ جارج اسکول کی تنظیم جدید کی گئی ۔

ہندوستانی مورخ ڈاکٹر بی۔بی مشرا کا بیان ہے کہ گورنمنٹ مدراس نے سیول ملازمین کو مقامی زبانوں کی تعلیم دینے ۱۸۰۸ء میں فورٹ سینٹ جارج اسکول کا از سرِ نو احیاء کیا [1] ڈاکٹر مشرا کے برخلاف مشہور انگریز مورخ ایچ۔ ڈی۔ لو (H.D.Love) نے فورٹ سینٹ جارج اسکول کی تنظیم جدید اور

۱۔ ڈاکٹر بی۔ بی مشرا : دی سنٹرل ایڈمنسٹریشن آف دی ایسٹ انڈیا کمپنی ص ۳۹۳ مطبوعہ ۱۹۵۹ء

کالج کے قیام کا سنہ ۱۸۱۲ء بتایا ہے[1] ہسٹری آف دی سٹی آف مدراس کے مولف پروفیسر سری نواس چاری بھی فورٹ سینٹ جارج کالج کے قیام ۱۸۱۲ء ہی بتاتے ہیں[2]۔

بادی النظر میں فورٹ سینٹ جارج کالج، فورٹ ولیم کالج کے سقوط کے بعد ابھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی باضابطہ تنظیم گو ۱۸۱۲ء میں ہوئی لیکن اس سے پہلے ہی سے یہ ادارہ مسلسل اپنی خدمات انجام دے رہا تھا۔ اور ہندوستانی (اردو) زبان و ادب کی خدمت میں مصروف تھا۔ اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ فورٹ سینٹ جارج اسکول سے وابستہ بہت سے ہندوستانی ادبیات کے ماہر انگریزوں جیسے کپتان ہنری ہیرس (capt. Henry Harris) اور جنرل جوزف اسمتھ (Gen. Joseph smith) وغیرہ نے ہندوستانی زبان و ادب سے بطور خاص دلچسپی لی۔ جنرل جوزف اسمتھ کی ایماء پر میر عطا حسین خاں تحسین نے فارسی کے مشہور قصہ "چہار درویش" کا اردو ترجمہ ۱۷۷۵ء سے قبل "نوطرز مرصع" کے نام سے کیا تھا۔ کپتان ہنری ہیرس نے ۱۷۸۱ء میں ایک "ہندوستانی لغت" مدراس سے شائع کی تھی۔ کپتان تھامس روبک (Capt. Thomas Roebuck) نے ڈاکٹر گل کرسٹ کی "ہندوستانی لغت" کی تیاری میں برابر کا ساتھ دیا تھا۔

۱۔ ایچ۔ ڈی۔ لو۔ وَنیٹجس آف اولڈ مدراس جلد سوم ص ۵۶۹ مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۱۳ء

۲۔ سری نواس چاری۔ ہسٹری آف دی سٹی آف مدراس ص ۲۱۶ مطبوعہ مدراس ۱۹۳۹ء

"حکایات الجلیلہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی شمس الدین احمد ۱۸۰۶ء میں فورٹ سینٹ جارج کالج میں "سرداران ریختہ الشاق" کی "تعلیم و تدریس" میں مصروف تھے[1] مختصر یہ کہ فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس ۱۸۱۲ء سے قبل ہی علمی و ادبی خدمات انجام دے رہا تھا۔

فورٹ سینٹ جارج کالج کے بھی وہی مقاصد تھے جو فورٹ ولیم کالج کے تھے دونوں کالجوں کے پیش نظر جونیر سیول ملازمین کی تعلیم و تربیت کا انتظام تھا لیکن فورٹ سینٹ جارج کالج کو فورٹ ولیم کالج پر ایک طرح کی برتری حاصل تھی کیوں کہ یہاں صرف منشی (رائٹر) ہی نہیں آتے تھے بلکہ وکلاء اور ججوں کی بھی ٹریننگ ہوتی تھی۔ چناں چہ پروفیسر سری نواس چاری تحریر کرتے ہیں:

"۱۸۰۲ء میں فورٹ سینٹ جارج کالج کے لیے ایک بورڈ قائم کیا گیا اس کالج کے بھی وہی مقاصد تھے جو فورٹ ولیم کالج کے تھے اس کا مقصد جونیر سیول ملازمین کی تعلیم تھا۔ فورٹ ولیم کالج پر اس کالج کو ایک طرح سے فوقیت حاصل تھی کہ یہاں ہندوستانی ادب کے ساتھ قانون اور ہندوستانی (اردو) کے علاوہ دوسری ملکی زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس لیے یہاں صرف منشی (رائٹر) ہی نہیں آتے تھے بلکہ وکلاء اور ججوں کو بھی ٹریننگ دی جاتی تھی"[2]

۱۔ منشی شمس الدین احمد حکایات الجلیلہ ص ۵ مطبوعہ مدراس ۱۸۳۶ء

۲۔ ہسٹری آف دی سٹی آف مدراس ص ۲۱۶

ڈاکٹر مشرا کا بیان ہے کہ ۱۸۲۷ء میں فورٹ سینٹ جارج کالج کا نیا نصاب ترتیب دیا گیا۔ اور مقامی السنہ کے ساتھ ساتھ سنسکرت ہندوستانی (اُردو) اور فارسی زبان کو بھی نصاب میں شریک کیا گیا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے نمونہ پر یہاں یورپین اساتذہ کو مامور نہیں کیا گیا تھا اس کے علاوہ اس کالج کے جو ممتحن مقرر ہوئے تھے وہ بھی بغیر کسی معاوضے کے اپنی خدمات انجام دیتے تھے۔[1]

فورٹ سینٹ جارج کالج کے لیے شاندار عمارت

فورٹ سینٹ جارج اسکول ۱۷۱۷ء سے ۱۸۱۲ء تک فورٹ سینٹ جارج کے احاطہ ہی میں کام کرتا رہا۔ ۱۸۱۲ء میں جب اس اسکول کی جدید تنظیم عمل میں آئی تو جگہ ناکافی ہونے لگی چنانچہ ۱۸۱۶ء میں مسٹر گیارو (Mr. Garrow) کا مکان دس سال کے پٹہ پر حاصل کیا گیا۔ دس یا رہ سال بعد ۱۸۲۷ء میں کالج ایک مالدار ارمینی تاجر مسٹر موریٹ (Mr. Moorat) کے مکان منتقل ہوا۔ انگریز مورخ ایچ۔ ڈی۔ لو کا بیان ہے کہ یہ عمارت گورنمنٹ مدراس نے نوے ہزار روپیہ ۹۰،۰۰۰ کے سرمایہ سے خریدی تھی۔ اس عمارت کا ایک وسیع اور شاندار کمرہ "کالج ہال" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا جہاں برسوں مختلف پروگرام اور ڈرامے ہوتے رہے۔[2]

۱۔ دی سنٹرل ایڈمنسٹریشن آف دی ایسٹ انڈیا کمپنی ص ۳۹۲

۲۔ وزیٹجس آف اولڈ مدراس جلد سوم ص ۵۶۹ مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء

فورٹ سینٹ جارج کالج کی جس قدر تفصیلات ملتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کالج تقسیم کار کے لحاظ سے کئی حصّوں میں بانٹا ہوا تھا۔ اس میں ایک طرف تعلیمی شعبہ تھا تو دوسری طرف دارالتصنیف وتالیف، پھر اسی کے ساتھ کالج کے ایک پریس اور ایک شاندار کتب خانے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

فورٹ سینٹ جارج کالج کا شعبۂ تعلیمی

فورٹ سینٹ جارج کالج کا شعبۂ تعلیم دکنی، ہندوستانی (اردو) عربی، فارسی سنسکرت، تلگو، ملیالم، کنڑی اور تامل زبان کے شعبوں کے علاوہ قانون اور ریاضی کے شعبوں پر مشتمل تھا۔ تراب علی نامی اس کالج کے شعبہ عربی فارسی اور ہندوستانی (اردو) کے صدر شعبہ تھے۔

حسن علی ماہلی عربی، فارسی اور ریاضی کے استاد تھے۔ منشی شمس الدین احمد، منشی ابراہیم بیجاپوری، منشی مظفر، محمد مہدی واصف، مرزا عبدالباقی وفا، سید تاج الدین تاج، غلام دستگیر اور محمد خان وغیرہ برسوں اس کالج میں درس وتدریس کی خدمات بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ اس تعلیمی ادارہ میں کام کرنے والے اساتذہ کو عام طور پر "منشی" کے لقب سے موسوم کیا جاتا تھا۔ جو اس دور میں ارباب علم وفضل کے لیے مخصوص تھا۔ کالج کے شعبۂ تعلیمی میں اساتذہ کی کمی تھی کیوں کہ اس دور کے علماء اور شعراء اور ادباء ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کو اپنے لیے کوئی عزت کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے۔ کالج کے قائم ہوتے کے بعد بھی کالج کے ارباب ذمہ دار کافی دنوں تک اس فکر میں رہے کہ ہندوستان

کے مختلف صوبوں سے ارباب کمال کو بلا کر کالج کے شعبہ تعلیمی کو وسعت دی جائے۔ اس طرح تراب علی نامی، حسن علی ماہلی، عبدالودود عاشق، منشی محمد ابراہیم بیجاپوری اور مرزا عبدالباقی وفا وغیرہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مدراس آئے تھے۔

مولوی حسن علی ماہلی کے متعلق محققین کا بیان ہے کہ وہ اپنے وقت کے بڑے زبردست اور مشاہیر علماء میں تھے۔ عالم یگانہ و فاضل فرزانہ تھے۔ علم عربی و فارسی میں منتخب زمانہ تھے۔ مرزا عبدالباقی وفا کے متعلق سید محمد بینش نے اپنے مشہور تذکرہ "اشارات بینش" میں لکھا ہے کہ وفا اہلِ زبان، فصیح البیان صاحب کمالات تھے۔ علوم عربیہ اور مختلف علوم فنون میں بہرہ وانی رکھتے تھے ملک کرناٹک (صوبہ مدراس) میں ان کے جیسا با کمال ولایت سے کم آیا ہوگا۔

اس کالج میں مقامی علماء اور شعرا بھی درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان میں منشی شمس الدین احمد، منشی مظفر، مولوی مہدی واصف، غلام دستگیر اور محمد خاں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ خصوصاً مہدی واصف کے متعلق محققین کا بیان ہے کہ وہ ۳۰۰ کتابوں کے مصنف یا مولف تھے۔ شمس الدین فیض جیسا جید استاد ان کی عظمت کا معترف تھا۔ ان تمام حضرات کی موجودگی سے اس کالج کا چرچا سارے ہندوستان میں ہونے لگا۔ چنانچہ منشی شمس الدین احمد اپنی مشہور کتاب "حکایاتِ الجلیلہ ترجمہ الف لیلۃ و لیلہ کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں: "چرچا ہر ایک علم کا یہاں تک بڑھا کہ بلدہ مدراس مخزن و معدن سب علوم کا بن گیا"۔

فورٹ سینٹ جارج کالج میں ٹامل کے لیے چدامبرا اور ستوسوامی پلّے کنڑ کے لیے بی. جی. بابنگلون اور ملیالم کے لیے سی. ایم. وِش کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔[1] کالج کے اسکالر اے. ڈی. کیمبل نے تلگو زبان کی قواعد لکھی۔ ٹامل اسکالر Beschi نے قصہ شیخ چلی ٹامل میں لکھا تھا اور ملیالم کے اسکالروں میں M. Whish نے ملیالمی ڈکشنری پر کام کیا ہے۔

فورٹ سینٹ جارج کالج کا شعبہ تصنیف و تالیف

فورٹ سینٹ جارج کالج میں تصنیف و تالیف کا ایک علاحدہ شعبہ تھا، جہاں سے ہندوستانی، دکنی، عربی اور فارسی میں ادبی تصانیف کے علاوہ مختلف مفید اور دل چسپ موضوعات پر لکھی ہوئی کتابیں شائع ہوئیں۔ قانون اور ریاضی کی متعدد کتابیں بھی کالج نے طبع کروائی تھیں۔ صرف و نحو، لغت و قواعد، داستان، تاریخ و سوانح اور اخلاقیات جیسے موضوعات پر دکنی زبان میں خاص طور پر متعدد مفید کتابیں لکھی گئیں۔

اس کالج کی اردو مطبوعات و مخطوطات جو دستیاب ہوئی ہیں وہ زیادہ تر دکنی زبان میں ہیں۔ حکایات الجلیلہ، انوار سہیلی، سنگھاسن بتیسی، گلستان اور بعض دیگر کتابوں کی زبان کو ان کے مترجمین دکنی قرار دیتے ہیں۔ پروفیسر مسعود حسین خاں نے منشی ابراہیم بیجاپوری کی دکنی انوار سہیلی کو قدیم اردو کا آخری بڑا نثری کارنامہ قرار دیا ہے۔[2]

---

۱. ڈاکٹر سمیع اللہ انیسویں صدی میں اردو کے تصنیفی ادارے، ص ۲۷ ، فیض آباد ۱۹۸۸ء
۲. ڈاکٹر مسعود حسین خاں، مقدمات شعر و زبان، ص ۲۰۲ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۶ء

اس موقعہ پر اس کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ اس کالج کے بعض مصنفین جیسے سید تاج الدین اور منشی مظفر اپنی تصانیف کو دکنی کے بجائے "کرناٹکی محاورہ" سے موسوم کرتے ہیں۔ ملکہ زماں "دکام کنذلہ" کے منصف نے بھی اپنی زبان کو "کرناٹکی محاورہ" سے موسوم کیا ہے۔

فورٹ سینٹ جارج کالج کا پریس

فورٹ سینٹ جارج کالج کا اپنا ایک پریس (مطبع) بھی تھا جہاں سے اکثر کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اس پریس سے سب سے پہلی کتاب ڈاکٹر ہنری ہیرس (Dr. H. Rariss) کی ہندوستانی زبان کا تجزیہ اور اس کی قواعد ولغت (Analyses, Grammer & Dictionery of Hindustany Language) ہے جو ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جنوبی ہند میں بولی جانے والی اردو یا دکنی الفاظ کا بھی اچھا ذخیرہ ملتا ہے ڈاکٹر ہارس کا یہ کارنامہ گل کرسٹ کے کارنامے سے بہتر ہے مگر یہ لغت بہت ہی کم یاب ہے [1]

اس کے علاوہ تراب علی نامی کی "وسیط النحو" منشی محمد ابراہیم بیجاپوری کی دکنی انوار سہیلی" سید امیر حیدر بلگرامی کی منتخب الصرف" قاضی ارتضا علی خاں کی "فرائض ارتضیہ" اور نقود الحساب وغیرہ اسی کالج کے پریس سے شائع ہوئی تھیں۔

۱۔ پروفیسر ایس۔ کے جیتی : اردو لغت نویسی اور اہل انگلستان ص ۱۶۰ مطبوعہ افکار برطانیہ میں اردو ۔ اپریل ۱۹۸۱ء

نصابی کتابیں کالج پریس کے علاوہ مقامی مطبعوں سے بھی شائع ہوتی تھیں ۔ چناں چہ مدراس کے مشہور مطبع " اعظم الاخبار " سے پانچ کتابیں دو جلدوں میں شائع ہوئی تھیں ۔ پہلی جلد میں اخلاق ہندی اور چہار درویش ، اور دوسری جلد میں اخوان الصفاء ، بکاؤلی اور گلستان نامی کتابیں شامل تھیں ۔ پھر مطبع جامع الاخبار سے بھی یہ کتابیں علاحدہ علاحدہ کتابی صورت میں شائع ہوئیں ۔ یہی نہیں بلکہ مطبع جامع الاخبار سے فورٹ سینٹ جارج کالج کے طلبہ کے لیے رسالہ گلکرسٹ ، سرکیولر آرڈرس ، رسالہ حروف تہجی ، قانون خرد کورٹ مدراس ، قواعد لشکری ، گلستان سہ باب ، میزان الحساب ، عربی حکایت لطیفہ ، تعلیم نامہ ، صنعت التحریر جیسی مفید کتابیں بھی شائع ہوئی تھیں ۔

" پرنٹنگ پریس ان انڈیا " کے مصنف اے ۔ کے ۔ پریولکر کا بیان ہے کہ کناڈا اور تلگو زبان کی چھپائی کی ابتداء بھی فورٹ سینٹ جارج کالج کے مطبع سے ہوئی ۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں اسی مطبع سے اے ۔ ڈی کیمبل (Campbell) کی تلگو زبان کی قواعد شائع ہوتی تھی ۔

تصانیف پر انعام واکرام

فورٹ سینٹ جارج کالج کا انتظامی بورڈ اچھی تصنیف پر مصنف کی حوصلہ افزائی کرتا اور انھیں انعام واکرام سے نوازا کرتا تھا ۔ چناں چہ قاضی ارتضا علی خان کو " نقود الحساب " پر ایک ہزار ہون انعام دیے گئے ۔ تراب علی نامی کو بھی " وسیط النحو " کی اشاعت پر ایک معقول معاوضہ ملا تھا ۔ مہدی واصف کے مشہور عربی

"تذکرہ حدیقتہ المرام فی تذکرہ العلماء الاعلام" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاوضہ سات ہزار روپیہ تھا ۔

زبانیں سیکھنے پر انعام و اکرام

ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے عہدہ داروں کو مقامی زبانیں سیکھ کر امتحان میں کامیابی حاصل کرنے پر انعام و اکرام اور معقول خدمتوں سے سرفراز کرتی تھی ۔ چناں چہ گورنر مدراس سر ہنری پاٹنجر (Sir Henry pottinger) نے سپریم گورنمنٹ کے حکم پر ایک اعلان "یونیڈ سروس گزٹ" میں شائع کروایا تھا ۔ اس اعلان کو مدراس کے مشہور اُردو اخبار" اعظم الاخبار" نے اس طرح شائع کیا تھا:

" یونیٹڈ سروس گزٹ میں لکھا ہے کہ مدراس کے گورنر سر ہنری پاٹنجر صاحب بہادر سوپریم گورنمنٹ کے حکم موافق اس ملک کے تمامی شمشیر بند سرداروں کو اطلاع دیتے ہیں کہ اگر کوئی سرداران سات زبانوں میں سے دو زبان یا زیادہ سیکھ کر امتحان دیوے تو اس کو سرکار کی طرف سے ایک مشت ہزار روپے ملینگے سوائے اس کے وے لوگ معقول خدمتوں پر مامور ہوویں گے"۔[1]

مقامی زبانیں سیکھنے والے عہدہ داروں کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فورٹ سینٹ جارج کے اکثر سولجر اُردو، ہندی (دکنی) اور فارسی وغیرہ سے

۱۔ اعظم الاخبار نمبر ۲۶ جلد ۵ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۸۵۲ء

اچھی طرح واقف ہو گئے تھے اور روانی کے ساتھ ان زبانوں میں گفتگو کر سکتے تھے۔
چناں چہ اخبار لکھتا ہے:

"قلعہ میں اکثر سولجر ہندی (دکنی) اور فارسی زبان خوب جانتے تھے اور لکھنے پڑھنے کا بھی اچھا سلیقہ رکھتے تھے چناں چہ کئی سولجروں کو ہم دیکھے کہ وے فارسی گفتگو اس طرح پر کرتے تھے کہ قابلوں کے سوائے دوسروں کی تقریر سمجھنا دشوار ہو جاتا تھا"[۱]

فورٹ سینٹ جارج کالج کا کتب خانہ

فورٹ سینٹ جارج کالج کے تحت ایک شان دار کتب خانہ بھی تھا۔ اس کتب خانے کے ضخیم کیٹلاگوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تامل تلگو، کنڑی، مرہٹی، ملیالم، سنسکرت، بنگالی، اڑیا، ہندی، برمی، اور جاوی زبانوں کے ساتھ ساتھ دکنی زبان کی بھی بے شمار کتابیں تھیں۔ اس کتب خانہ کی بعض دکنی کتابوں کا تذکرہ حکیم شمس اللہ قادری نے بھی کیا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ شیخ عین الدین گنج العلم کے رسائل نیز شمس العشاق اور شاہ میراں جی کی دکنی تصانیف گل باس دھل ترنگ فورٹ سینٹ جارج کالج کے کتب خانے میں موجود تھیں[۲]

۱۔ اعظم الاخبار نمبر ۲۶ جلد ۵ مورخہ ۲۲ / اپریل ۱۸۵۲ء
۲۔ اردوئے قدیم ص ۴۰ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۲۵ء

ولیم ٹیلر (William Taylor) نے اس بے نظیر کتب خانہ کے جملہ مخطوطات کے دو ضخیم کیٹلاگ (فہرست کتب) مدراس کے فورٹ سینٹ جارج گزٹ پریس سے شائع کیے تھے۔ پہلی جلد جو (۶۷۸) صفحات پر مشتمل ہے ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی جب کہ دوسری جلد جس کے (۸۶۴) صفحات ہیں ۱۸۶۰ء میں طبع ہوئی ہے۔

ولیم ٹیلر نے دیباچہ میں بتایا ہے کہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے کتب خانہ میں مخطوطات کے تین شان دار ذخیرے تھے۔ یہ ذخیرے میکنزی، ایسٹ انڈیا ہاؤس اور براؤن کلکشن کے ناموں سے موسوم تھے۔ کرنل میکنزی (Col. Colin Mackenzie) سرویر جنرل آف انڈیا کی وجہ سے ان کا ذخیرہ میکنزی کے نام سے مشہور رہا۔ یہ ذخیرہ بہت قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ ولیم ٹیلر نے اس ذخیرے کے بارے میں لکھا ہے:

"ہندوستان سے متعلق تاریخی دستاویزات کا اتنا بیش قیمت ذخیرہ یورپ یا ایشیا میں آج تک کسی فردِ واحد نے جمع نہیں کیا"۔

غرض فورٹ سینٹ جارج کالج کی وجہ سے نہ صرف اردو زبان بلکہ دکنی زبان و ادب کا نثری ادب پیدا ہوا بلکہ اس کی اشاعت کے ذرائع بھی مہیا ہوئے۔ طباعت کی سہولتوں کے باعث بہت ہی قلیل عرصہ میں یہاں کی کتابیں خواص اور عام (پبلک) میں شوق سے پڑھی جانے لگیں۔ اس طرح اس کالج کی بدولت آسان، سلیس اور عام فہم نثر نگاری کی ایک شان دار روایت قائم ہوئی۔

غرض ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں اُردو زبان نے بڑی مقبولیت حاصل کر لی تھی ۔ انگریز حکمرانوں کی دل چسپی کی وجہ سے بھی اس زبان کو مقبولیت حاصل ہو رہی تھی ۔ پانڈی چیری کے باشندے سے ۔ ای (E-sice) کے نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ کارومنڈل سے مالابار تک اس نے ہر جگہ اردو میں بات چیت کی تھی [1]

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جنوبی ہند میں اُردو ایک ہر دل عزیز زبان کی حیثیت رکھتی تھی اور عوام سے ربط پیدا کرنے کا ایک موثر ذریعہ بنی ہوئی تھی ۔

١۔ ڈاکٹر زور : گارساں دتاسی ص ۶۰ طبع ثانی مطبع حیدرآباد ۱۹۶۱ء

فورٹ سینٹ جارج کالج کے مولفین اور ان کی تالیفات

۱۔ تراب علی نامی

۱۔ وسیط النحو (فن نحو)

۲۔ دار المنظوم (فن منطق)

۳۔ حکایتی چند

۴۔ سفرنامہ ایران، عرب و عراق

۵۔ تذکرہ احیاء

۶۔ مثنوی ہشت گلزار

۷۔ مثنوی پیراہن طوطا

۸۔ ہفت نسخہ

۹۔ دیوان

۲۔ حسن علی ماہلی

۱۔ تبصرۃ الحکمتہ (فن طبیعات و الہیات)

۲۔ منتخب التحریر (فن ریاضی)

۳۔ قاضی ارتضا علی خاں خوشنود

۱۔ نفائس ارتضیہ (فن معانی)

۲۔ نقود الحساب (فن ریاضی)

۳۔ فرائض ارتضیہ (قانون وراثت)

۴۔ دیوان گلزار حمد

۴۔ حسین شاہ حقیقت

۱۔ صنم کدہ چین

۲۔ جاذب عشق

۳۔ تحفتہ العجم (فارسی لغت)

۴۔ خزینتہ الامثال (عربی و فارسی اردو زبان و زد امثال کا مجموعہ)

۵۔ مرزا عبد الباقی وفا

۱۔ ترجمہ مجالس النفائس (از ترکی)

۶۔ مہدی واصف

۱۔ مجمع الامثال

۲۔ انگریزی اردو، فارسی لغت

۳۔ دلیل ساطع (سنسکرت فارسی اردو لغت)

۴۔ مناظر اللغات (فارسی اردو لغت)

۵۔ ترجمہ کیمیائے سعادت

۶۔ ترجمہ جلالین

۷۔ ترجمہ رسولہ عشرہ

۸۔ خلاصتہ تکمیل الایمان

۹۔ رسالہ اخلاق النبی کریم صلعم

۱۰۔ رسالہ آداب الصالحین

۱۱۔ رسالہ تعبیر خواب

۱۲۔ روضۂ رضوان (نعتیہ دیوان)

۱۳۔ دیوانِ واصف (فارسی دیوان)

۱۴۔ دیوان مسکین (اردو دیوان)

۱۵۔ منہاج العابدین

۷۔ منشی شمس الدین احمد

۱۔ حکایات الجلیلہ ترجمہ الف لیلۃ و لیلہ

۸۔ منشی ابراہیم بیجاپوری

۱۔ بکٹی انوار سہیلی

۹۔ منشی مظہر

۱۔ حیدر نامہ

۱۰۔ غلام دستگیر

۱۔ مثنوی احوال قیامت

۱۱۔ سید تاج الدین

۱۔ تاج نامہ

۲۔ عقاید

۳۔ گل دستہ ہند

۱۲۔ محمد خاں

۱۔ اسرار احمدی

۲۔ دستور النثر

۳۔ تقویم الایمان ترجمہ شرح تکمیل الایمان

۱۳۔ مفتی تاج الدین حسین خاں بہجت

۱۔ رسالہ فن صرف

۲۔ تاج القواعد (فن قواعد)

۳۔ مجمع البحرین (فن عروض و قافیہ)

۴۔ چمنستان (شرح گلستان سعدی)

۵۔ مرصاد المشتاقین

۱۴۔ میر حیدر بلگرامی

۱۔ الفلاح و انکشاف

۲۔ منتخب الصرف

۳۔ مقدمہ دیوان افسوس

۱۵۔ تھامس روبک

۱۔ ہندوستانی لغت (باشتراک گل کرسٹ)

۲۔ برٹش انڈیا مانی ٹر

۳۔ لغت جہاز رانی

۴۔ ترجمان ہندوستان

۱۶۔ ہنری ہیرس

۱۔ ہندوستانی زبان کا تجزیہ اور اس کی قواعد و لغت

۱۷۔ ایڈورڈ ڈبالفور

۱۔ سیکلوپیڈیا آف انڈیا (تین جلدیں)

۲۔ گلدستہ نجے سخن

۳۔ ترجمہ کتاب علوم نجوم
۵۔ اصول فن قبالت و فنِ ولادت زرنگ (انگریزی سے ترجمہ)
۴۔ علم ہیئت کا رسالہ
۶۔ رسالہ علم کیمیا
۱۸۔ گرین اور سے علی بابا چالیس چور (ڈراما)

حسب ذیل کتابیں

فورٹ سینٹ جارج کالج کے نصاب میں شامل تھیں

۱۔ ترجمہ اخوان الصفاء (اکرام علی) مطبوعہ مدراس ۱۸۴۵ء
۲۔ اخلاق ہندی (میر بہادر علی حسینی) مطبوعہ مدراس ۱۸۴۵ء
۳۔ آرائش محفل (سید حیدر بخش حیدری) مطبوعہ مدراس
۴۔ طوطا کہانی (") "

فورٹ سینٹ جارج کالج کے

چند گمنام مولفین کی مطبوعہ کتابیں

۱۔ چہار درویش
۲۔ بکاؤلی ۳۔ گلستان سرباب
۴۔ سرکیولر آرڈرس
۵۔ رسالہ حروف تہجی
۶۔ قانون خرد کورٹ مدراس
۷۔ قواعد لشکری
۸۔ میزان الحساب
۹۔ عربی حکایت لطیفہ
۱۰۔ تعلیم نامہ
۱۰۔ صنوت الحریر

فورٹ سینٹ جارج کالج کے چند گمنام مولفین کی غیر مطبوعہ تالیفات

۱۔ ملکہ زماں و کام کندلہ
۲۔ سنگھاسن بتیسی
۳۔ ترجمہ گلستان
۴۔ آئین و قوانین افواج کمپنی علاقہ مدراس
۵۔ فوجی قوانین
۶۔ قواعد تعلیم فصیح

حکایات لطیفہ

نسخہ ترجمہ حکایات لطیفہ واسطے تعلیم مبتدیاں
ہندی پڑھنے والوں کے لئے مطبع جامع الاخبار
میں ۱۴ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۳ھ مطابق
پہلی ماہ اپریل سنہ ۱۸۴۷ء تیار ہوا۔

حکایاتِ لطیفہ

پہلی حکایت

دو عورتیں ایک لڑکے کے واسطے آپس میں جھگڑا کرتی تھیں۔ اور گواہ نہیں رکھتیں۔ دونوں قاضی کے پاس گئیں اور انصاف چاہیں۔ قاضی نے جلاد کو بلایا اور فرمایا کہ اس لڑکے کے دو ٹکڑے کر ایک ایک دونوں کو دے۔ ایک عورت یہہ بات سنتے ہی چپ رہی۔ دوسری نے فریاد شروع کی کہ خدا کے لیے میرے لڑکے کے دو ٹکڑے مت کر۔ میں لڑکا نہیں چاہتی ہوں۔ اس سے قاضی کو یقین ہوا کہ لڑکے کی ماں یہی ہے۔ لڑکا اس کے سپرد کیا اور دوسری کو کوڑے مار کے نکال دیا۔

دوسری حکایت

ایک شہر میں روئی کا ڈھیر چوری گیا تھا۔ روئی والوں نے بادشاہ سے نالش کی۔ بادشاہ نے ہرچند تجسس کیا۔ پر ایک چور نہ پایا۔ ایک امیر نے عرض کی کہ جو اجازت ہو تو میں چوروں کو پکڑوں۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ امیر نے شہر کے سب رہنے والوں کو ضیافت کے بہانے اپنے گھر کو بلایا۔ جب سب

جمع ہوئے امیر اُس مجلس میں گیا اور سب کے منہ کی طرف دیکھ کر بولا کہ کیا حرام زادے اور بے حیا آدمی ہیں کہ سٹی[1] چرائی ہے اور پھائے روئی ان کی داڑھیوں میں لگے ہیں اور میری مجلس میں آئے ہیں۔ کتنے لوگوں نے وہیں اپنی داڑھی جھاڑی۔ معلوم ہوا کہ وُٹے[2] چور ہیں۔ بادشاہ[3] نے امیر کی حکمت پر آفرین کی۔

تیسری[۳] حکایت

ایک دانشمند ہزار دینار ایک عطار کو سپرد کر کے سفر کو گیا۔ مدت کے بعد پھر آیا۔ روپے عطار سے مانگے۔ عطار نے کہا تو جھوٹا ہے۔ آخر گفتگو بڑھی۔ بہت لوگ جمع ہو گئے۔ سبھوں نے دانشمند کو جھوٹا ٹھیرایا۔ اور کہا کہ یہہ عطار بڑا دیانت دار ہے۔ اس نے کبھی خیانت نہیں کی۔ اگر تو اس سے اُلجھے گا تو سزا پاویگا۔ دانشمند چپ رہا۔ اور سوال اس معاملہ کا بادشاہ کو گذرانا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تین روز اس کی دکان کے پاس بیٹھ اور اس سے کچھ نہ کہہ۔ چوتھے دن میں اس طرف آونگا اور تجھے سلام کروں گا۔ سلام کے جواب سوا مجھ سے کچھ نہ کہے۔ جب وہاں سے چلا جاؤں عطار سے روپے مانگئے اور جو کچھ وہ کہے مجھ کو اطلاع کریئے۔ دانشمند نے ویسا ہی کیا۔ چوتھے روز بادشاہ کی سواری اُدھر گئی۔ دیکھتے ہی بادشاہ نے دانشمند کو

۱۔ چرائی

۲۔ ۔۔۔ ۳۔ بادشاہ کو اکثر جگہ پادشاہ لکھا گیا ہے۔

سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اے بھائی! کبھو[1] میرے پاس نہیں آتا اور مجھ سے کچھ اپنا حال نہیں کہتا۔

دانشمند نے ذرا سر ہلایا اور کچھ نہ کہا۔ عطار دیکھتا تھا اور ڈرتا (تھا) جب بادشاہ کی سواری نکل گی۔ عطار نے دانشمند سے کہا کہ جس وقت تم نے مجھے روپے سونپے تھے۔ میں کہاں تھا کوئی اور بھی میرے نزدیک تھا پھر کہو شاید میں بھول گیا ہوں۔ دانشمند نے پھر سب ماجرا بیان کیا۔ عطار نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے۔ اب مجھے یاد آیا۔ حاصل کلام کا یہہ ہے کہ اس نے ہزار روپے دانشمند کو دیے اور بہت عذر کیا۔

چوتھی حکایت

ایک شخص نے بہت سا مال ایک صراف کے سپرد کیا اور آپ سفر کو گیا۔ جب پھر آیا صراف سے تقاضا کیا۔ اُس نے قسم کھائی کہ تو نے مجھے نہیں سونپا ہے۔ مدعی نے قاضی کو اطلاع کی۔ قاضی نے تامل کرکے کہا کہ کسوٗ[2] سے مت کہیو کہ فلانا صراف میرا مال نہیں دیتا میں تیرے مال کے لیے ایک تدبیر کرونگا۔ دوسرے دن قاضی نے صراف کو بلا کے یہہ کہا کہ میرے پاس بہت کام ہے۔ اکیلا نہیں کر سکتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ تجھے اپنا نائب

۱۔ کبھی ۲۔ کسی

کروں۔ کس واسطے کہ تو بڑا ایمان دار ہے۔ صراف نے قبول کیا۔ اور بہت خوش ہوا۔ جب وہ اپنے گھر گیا تب قاضی نے مدعی سے کہا کہ اب مال کی درخواست صراف سے کر البتہ دے گا۔ وہ شخص صراف کے گھر گیا۔ صراف نے اس کو دیکھتے ہی بولا کہ اجی ادھر آؤ۔ بھلے آئے میں تمھارا مال بھول گیا تھا۔ اگلی رات مجھے یاد آیا۔ خلاصہ یہہ ہے کہ مال اس کا پھیر دیا۔ اور نیابت کی طمع سے قاضی کے پاس گیا۔ قاضی نے فرمایا کہ آج میں نے بادشاہ کے دربار میں سنا کہ بادشاہ تجھکو بڑا کام دیا چاہتا ہے۔ خدا کا شکر کر تو عالی رتبہ پاویگا۔ میں دوسرا نائب تلاش کرونگا۔ آخر قاضی نے اس بہانے اُس کو رخصت کیا۔

پانچویں حکایت

ایک شخص کے گھر سے روپے کا توڑا گم ہوا تھا۔ اُس نے قاضی کو خبر دی۔ قاضی نے گھر کے سب آدمیوں کو طلب کیا اور ایک ایک لکڑی طول میں برابر سب کے حوالے کی اور کہا کہ چور کی لکڑی ایک انگل بڑھ جائے گی۔ تسلی پیچھے سب کو رخصت کیا۔ جس نے چوری کی تھی خوف سے ایک انگل لکڑی کاٹ ڈالی دوسرے روز قاضی نے سب کی لکڑیاں دیکھیں اور چور کو پہچانا۔ اس سے روپے لئے اور سزا دی۔

۱۔ اس

چھٹویں حکایت

ایک نے ایک سے یہہ شرط کی تھی کہ اگر میں بازی نہ جیتوں تو سیر بھر گوشت میرے بدن سے تراش لیجیے۔ ایسا ہوا کہ اُس نے بازی نہ پائی۔ حریف نے کہا شرط ادا کر۔ اس نے نہ مانا۔ دونوں قاضی کے پاس نالشی گئے۔ قاضی نے برہم ہو کے کہا کہ تراش لے پر جب ایک سیر سے ایک رتی زیادہ کاٹیگا تو سزا پائیگا۔

ساتویں حکایت

ایک شخص ہر روز چھ روٹیاں خرید کرتا تھا۔ ایک دوست نے اُس سے پوچھا کہ چھ روٹیاں کیا کرتا ہے۔ اُس نے کہا ایک رکھتا ہوں۔ ایک ڈال دیتا ہوں دو پھیر دیتا ہوں دو قرض دیتا ہوں۔ دوست نے کہا کہ میں نے یہہ معما نہیں سمجھا۔ صاف کہہ۔ اس نے جواب دیا۔ ایک روٹی جو رکھتا ہوں اس کا یہ مطلب کہ میں کھاتا ہوں۔ ایک روٹی میری ساس کھاتی ہے وہ ڈال دینے میں داخل ہے۔ دو جو واپس کرتا ہوں اس سے یہہ مراد کہ ماں[1] باپ کھاتے ہیں دو روٹی جو بیٹے کھا۔ آ ہیں وہ قرض دیتا ہوں۔

۱۔ ماں کو ما لکھا گیا ہے۔

آٹھویں حکایت

ایک دن سکندر نے اپنی مجلس میں کہا کہ جس نے جو مجھ سے مانگا سو پایا۔ کوئی محروم نہیں گیا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ اے خداوند! مجھے ایک درم درکار ہے عنایت کیجئے۔ سکندر نے فرمایا۔ بادشاہوں سے چھوٹی چیز کی درخواست کرنی بے ادبی ہے۔ اس نے التماس کیا کہ بادشاہ کو ایک درم کے دینے سے شرم آتی ہے تو ایک ملک مجھے بخشئے۔ سکندر نے کہا تو نے دونوں سوال بے جا کئے۔ پہلا میرے مرتبہ سے کم۔ دوسرا اپنی قدر سے زیادہ۔ وہ لاجواب اور شرمندہ ہوا۔

نویں حکایت

ایک شیر اور ایک مرد نے اپنی تصویر ایک گھر میں دیکھی۔ مرد نے شیر سے کہا دیکھتا ہے انسان کی شجاعت کو کیسا شیر کو اپنا تابع کیا ہے۔ شیر نے جواب دیا کہ مصور آدمی تھا اگر شیر مصور ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

دسویں حکایت

ایک درویش بنیئے کی دوکان پر گیا اور سودے کے لیے شتابی کرنے لگا۔

بقال نے گالی دی۔ درویش نے ایک جوتی اس کے سر پہ ماری۔ اس نے کتوال سے نالش کی۔ کتوال نے فقیر سے پوچھا کہ بنیے کو کس واسطے مارا۔ فقیر نے کہا کہ اس نے دشنام دی تھی۔ کتوال بولا کہ تجھ سے بڑی تقصیر ہوئی۔ پر فقیر ہے اس لئے سیاست نہیں کرتا ہوں جا آٹھ آنے فریادی کو دے۔ تیرے قصور کی سزا یہی ہے۔ درویش نے ایک روپیہ جیب سے نکال کتوال کے ہاتھ میں دیا اور ایک پاپوش کتوال کے سر پہ مار کر یہہ کہا کہ اگر ایسا ہی انصاف ہے تو آٹھ آٹھ آنے دونوں بانٹ لو۔

گیارھویں حکایت

ایک شخص خط لکھتا تھا۔ ایک بیگانہ آدمی اس کے نزدیک بیٹھا ہوا خط کو دیکھنے لگا۔ تب اس نے خط میں لکھا کہ ایک احمق میرے پاس بیٹھا ہوا خط کو پڑھتا ہے اس لیے میں کچھ راز نہیں لکھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ کیا تو مجھکو احمق جانتا ہے۔ کیوں اپنا بھید نہیں لکھتا؟ میں نے تیرا خط نہیں پڑھا۔ کاتب نے جواب دیا اگر خط نہیں پڑھا تو کس طرح معلوم کیا کہ میں نے ایسا لکھا ہے۔ وہ بہت شرمندہ ہوا۔

بارھویں حکایت

ایک درویش نے ایک بخیل سے کچھ سوال کیا۔ بخیل نے کہا اگر

ایک بات میری قبول کرے تو جو کچھ کہے گا سو کرونگا۔ فقیر نے پوچھا وہ کیا بات ہے۔ اس نے کہا مجھ سے کبھی کچھ مت مانگ۔ اس کے سوا جو کچھ تو کہے گا سو مانوں گا۔

۱۳ تیرھویں حکایت

ایک دانشمند ایک شہر میں وارد ہوا۔ سُنا کہ یہاں ایک بڑا سخی ہے۔ سب مسافروں کو کھانا کھلاتا ہے۔ دانشمند پھٹے پُرانے کپڑوں سے اُس کے گھر گیا۔ اس نے کچھ التفات نہ کیا۔ بات بھی نہ پوچھی دانشمند شرمندہ ہو کے پھر آیا۔ دوسرے دن پاکیزہ کپڑے کرایے منگوا پہن کے اس کے گھر گیا۔ اس نے دیکھتے ہی تعظیم کی۔ اپنے پاس بٹھایا اور لذیذ کھانا منگوایا جب دستارخوان[۱] بیٹھا۔ دانشمند لقمے اپنے کپڑے پر رکھنے لگا۔ تب اس نے پوچھا کہ یہہ کیا حرکت ہے؟ دانشمند نے جواب دیا کہ کل پرانے کپڑے پہنے ہوئے آیا تھا ذرہ بھی کھانے کو نہیں پایا۔ آج معلوم ہوا کہ یہہ نفیس کھانا اس کپڑے کے سبب سے ملا ہے۔ صاحب خانہ بہت شرمندہ ہوا۔

۱۴ چودھویں حکایت

دو مصوروں نے آپس میں کہا کہ ہم دونوں تصویر کھینچیں۔ دیکھیں

۱۔ دسترخوان

کون اچھی کھینچتا ہے ۔ ایک نے انگور کے خوشے کی شبیہ کھینچی اور دروازے پر لٹکا دی ۔ چڑیاں اُس پر چونچ مارنے لگیں ۔ دیکھنے والے بہت خوش ہوئے ۔ ایک دن لوگ دوسرے کے گھر گئے اور پوچھا کہ تم نے کہاں تصویر کھینچی ہے ۔ اس نے کہا کہ اس پردے کے پیچھے ۔ مصور نے پردے پر ہاتھ رکھا سمجھا کہ پردہ نہیں دیوار میں پردے کا نقش کھینچا ہے ۔ تب اس مصور نے کہا کہ تمھارے کام سے چڑیوں نے فریب کھایا اور میری نقاشی سے تم نے ۔

پندرھویں[15] حکایت

ایک بادشاہ وزیر کے ساتھ سیر کو گیا تھا ۔ گیہوں کے درخت آدمی کے قد سے لنبے[1] دیکھ کے متعجب ہوا اور بولا کہ ایسے بلند درخت گیہوں کے کبھی نہیں دیکھے ۔ وزیر نے عرض کیا کہ میرے وطن میں ہاتھی کے ڈیل برابر ہوتے ہیں ۔ بادشاہ مسکرایا ۔ وزیر نے جانا کہ بادشاہ نے میرے قول کو دروغ سمجھا اسی سے ہنسا ۔ آخر گھر پہنچتے ہی اس نے وطن کے لوگوں کو لکھا کہ تھوڑے درخت گیہوں کے بھجوا دو ۔ خط پہنچنے تک فصل آخر ہو گی ۔ ایک سال بعد گیہوں کے درخت وہاں سے آئے ۔ وزیر بادشاہ کے حضور میں لے گیا ۔ بادشاہ نے سبب استفسار کیا ۔ اس نے عرض کی کہ پار سال[2]

۱۔ لمبے ۲۔ سال گذشتہ، پچھلے سال

میں کہا تھا کہ گیہوں کے درخت ہاتھی برابر لنبے[1] ہوتے ہیں۔ تب جہاں پناہ ہنسے تھے اب میں اپنی بات کی تصدیق کے لئے لایا ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اب میں باور کیا پر ہرگز کسی سے ایسی بات مت کہہ جو ایک برس گذرنے کے بعد اعتبار کی جاوے۔

سولھویں[16] حکایت

ایک شخص ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا تھا۔ اُس نے اس گھوڑے کو اصطبل میں باندھا پر اس طرح کہ اگاڑی[2] کی طرف پچھاڑی کی اور شہر میں منادی دی کہ عجب تماشا دیکھو کہ دم کی جگہ گھوڑے کا سر ہے شہر کے لوگ دیکھنے کو جمع ہوئے۔ وہ شخص جب کچھ نقد لیتا۔ تب آدمیوں کو جمع ہوئے۔ وہ شخص جب کچھ نقد لیتا۔ تب آدمیوں کو اصطبل میں جانے دیتا۔ جو کوئی طویلے سے پھرتا شرم سے کچھ نہ کہتا۔ وہ مفلس تھا اس نے بہانے اپنا کام کرلیا۔

سترھویں[17] حکایت

ایک شخص نے افلاطون سے پوچھا کہ تم نے برسوں تک دریا کا سفر

۱۔ لمبے ۲۔ آگے کا حصہ (پچھاڑی کی ضد)

کیا۔ دریا میں کیا کیا عجایب دیکھے۔ افلاطون نے جواب دیا کہ یہی عجوبہ دیکھا کہ میں دریا سے کنارے پہنچا۔

اٹھارہویں حکایت

کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی ایاز کو بہت دوست رکھتا تھا۔ حسد کے سبب سب امیروں نے بادشاہ سے کہا کہ ایاز ہر روز اکیلا جواہر خانے میں جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چوراتا[1] ہے۔ نہیں تو جواہر خانے میں اس کا کیا کام ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ جب آنکھ سے دیکھوں تب باور کروں۔ دوسرے دن لوگوں نے سلطان کو خبر دی کہ ایاز جواہر خانے میں گیا۔ محمود نے فوراً جھروکھے سے جھانکا۔ دیکھا کہ ایاز نے ایک صندوق کھول کر پرانے میلے کپڑے پہنے ہیں۔ بادشاہ اس مکان کے اندر گیا اور ایاز سے پوچھا کہ ایسے کپڑے کیوں پہنے۔ اس نے عرض کی کہ جب میں حضور کی بندگی میں نہ تھا ایسے کپڑے پہنتا تھا۔ اب خداوند کی عنایت سے نفیس پوشاک میسر ہے اس لئے پرانے کپڑے ہر روز پہنتا ہوں کہ اپنی قدیم حالت فراموش نہ کروں۔ اور بادشاہ کی نعمت کی قدر سمجھوں۔ سلطان کو یہہ بات پسند آئی۔ اس کو چھاتی سے لگایا اور اس کا مرتبہ بڑھایا۔

۱۔ چُراتا

۱۹
انیسویں حکایت

کہتے ہیں کہ ایک مرتبے لقمان کے آقا نے اُسے کہا کہ فلانے کھیت میں جو بو۔ لقمان نے اس زمین میں چنا بویا۔ لقمان کا مالک اس جگہ میں گیا۔ اور ہری کھیتی دیکھ لقمان سے بولا کہ میں نے تجھ سے کہا تھا اس کھیت میں جو بو کس واسطے تُو نے چنا بویا۔ لقمان نے جواب دیا اس اُمید پر میں نے چنا بویا کہ جو پھلیگا۔ مالک نے کہا یہہ کیا بھنڈی سمجھ ہے کہیں ایسا ہوتا ہے۔ لقمان نے فرمایا کہ تم ہمیشہ دنیا کے کھیت میں گناہوں کا بیج بوتے ہو اور گمان رکھتے ہو کہ قیامت کے دن ثواب کا پھل پاؤگے۔ اس سبب سے میں نے بھی خیال کیا کہ اس چنے سے جو پیدا ہوں گے۔ بنی اسرائیل اس بات سے شرمندہ ہوا۔ اور لقمان کو آزاد کیا۔ یہہ باتیں بھی لقمان کی فرمائی ہوئیں ہیں کہ نادان ہر چند خوب صورت ہو تو اس کے ساتھ صحبت نہ رکھا چاہیئے۔ کس واسطے کہ تلوار اگرچہ دیکھنے میں سوڈول ہے پر کام اُس کا بُرا ہے۔ جو کوئی اچھی خو رکھتا ہے بیگانے اس کے دوست ہوتے ہیں اور بدخو کے یگانے دشمن ہوجاتے ہیں۔

۲۰
بیسویں حکایت

دو لڑکے بھوکھے پیاسے کسی کے یہاں گئے۔ اس نے ہر یک کے شعور کی آزمائش کے واسطے ایک طرف میز پر کچھ شراب' اور مصری رکھ دی اور دوسرا

طرف تھوڑا ٹھنڈا پانی اور روکھی روٹی ۔ عقل مند لڑکے نے روٹی اور پانی سے اپنے پیٹ کو بھرا اور پیاس کو بجھایا ۔ احمق لڑکے نے جو شراب کا لال رنگ دیکھا اور مصری کی مٹھاس پائی بہت رغبت سے اسکو پیا اور کھایا ۔ پر فائدہ کچھ نہ ہوا ۔ بلکہ اُس کی پیاس زیادہ ہوئی ۔ اور اپنا پیٹ خالی ہوا سے بھرا ہوا پایا ۔ لیکن اپنی چوک کا علاج نہ کرسکا کیونکہ وقت گذر گیا تھا ۔ سچ ہے کہ بہت چیزیں بظاہر خوب تر ہیں ۔ اور باطن میں حاصل اُن کا تھوڑا ہے چنانچہ پھولنا گلاب کا ساتھ رنگ اور بو کے اگرچہ خوشنما ہے لیکن پھولنا کیا اس کا انسان کے حق میں دوچند مفید ہے ۔

۲۱
اکیسویں حکایت

جو دانا لڑکا ہے اپنی کتاب اپنے گھر میں بے کہے پڑھتا ہے اور لڑکا نادان اپنی کتاب کو کھیل کے واسطے طاق پر ڈال رکھتا ہے ۔ اگرچہ اس کے ماں باپ اس بدچال سے ہزار منع کریں ۔ پہلا لڑکا اس اصیل گھوڑے کی طرح ہے کہ جس کے واسطے کوڑا ضرور نہیں ۔ اور دوسرا اس خچر منہ زور کے برابر ہے جو لگام نہیں مانتا ۔ غرض ایک لڑکا جو سچ پوچھو تو گویا زنبور کے شہد کے پیچھے ہے اور اُس کے نیش کی طرف نظر نہیں کرتا ۔ اور دوسرا نا چیز تیتری کے پیچھے دوڑتا ہے اور یونہیں اپنی محنت کو صرف اُس کے رنگین پروں پر برباد دیتا ہے ۔

۲۲
بائیسویں حکایت

ایک بڑا سوداگر تھا اس کے دو بیٹے تھے تھوڑے دنوں میں وہ سوداگر مرگیا۔ باپ کی دولت دونوں نے بانٹ لی۔ ایک نے دو تین مہینے میں اپنی سب سب دولت اڑادی۔ بُرے آدمیوں کی صلاح سے۔ دوسرے نے سوداگری اختیار کی بھلے آدمی کے کہنے سے۔ ایک فقیر ہوا دوسرا دولت مند۔ پس جو کوئی بھلے کی بات مانیگا اُس کا بھلا ہوگا اور جو کوئی بُرے کی مانیگا اس کا بُرا ہوگا۔ جیسا اُن دونو[1] کا ہوا۔

۲۳
تیئیسویں حکایت

ایک لڑکے نے تفاوت سے دیکھا کہ چمن کے کنارے پر ایک پھول نہایت خوش رنگ پھول رہا ہے۔ جب لڑکا اس کے نزدیک پہنچا تو اس گل کی خوشبو اور رنگ نے یہاں تک لبھایا کہ بے اختیار اس کے توڑنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوئی۔ جو وہیں[2] اپنا ہاتھ اس کے پتوں تک پہنچایا وہیں اس کو بہت سے کانٹے پتوں کے نیچے نظر آئے۔ ماری دہشت کے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور خالی ہاتھ چلا گیا۔ القاقاً اُس کا چھوٹا بھائی دور سے دیکھتا تھا اس بات کو

۱۔ دونوں ۲۔ جوں ہی

دریافت کر گیا۔ اگرچہ عمر میں چھوٹا تھا پر دل کا بڑا۔ ان کانٹوں سے نہ ڈرا۔
بید معطر کا پھول توڑ لیا۔ بلکہ ساتھ اس کے ایک ایسا پھول بھی تحفہ ہاتھ آیا کہ جتنا اس پھول کو توڑنے میں دکھ سہا تھا سو بھی دل سے بھلا دیا۔ پس جو شخص کہ کانٹوں کے ڈر سے پھول نہ لے سکا اس کا دماغ کب معطر ہوا اور کیا پھل اس نے پایا۔

۲۴
چوبیسویں حکایت

دو لڑکے نوجوان ایک ہی ساتھ علم سیکھنے لگے۔ ایک لڑکا اُن میں بہت اچھا نیک بخت تھا۔ استاد جو سبق اُسے پڑھا دیتا سو یاد کر لیتا اور اپنی کتاب اپنے گھر میں پڑھا کیا کرتا۔ دوسرا غافل بڑا شریر تھا جو اپنے ہم عمر کی محنت پر ہنسا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ یہہ بات اپنے ہم مکتب سے کیا کرتا تھا کہ تو گدھا ہے اُسے اکثر یہہ جواب دیا کرتا یار تھوڑے دنوں میں دیکھا چاہیے کیا ہو۔ آخر امتحان کا روز آ پہنچا۔ ان دونوں کو علم کے دریا میں پیرنے پڑا۔ دانا لڑکے نے اُس احمق کو بہت پیچھے جہالت کے گرداب میں شرم سے ڈوبتے ہوئے چھوڑا اور پکارنے لگا۔ اسی بار جو تمہارے خیال میں بے وقوف نظر آنے لگے سو اکثروں کے نزدیک عقلمند ہو نکلینگے۔ اور جو تم نے سیکھا سو ایسے وقت تمہارے کام نہیں آنے کا لاحاصل ہے۔ اب اگر اپنے ہم جولی پر ہم بھی ٹھٹھے ماریں تو ہماری باری ہے۔ موافق اس مثل کے جو جیتے سو بنے لیکن داناؤں کے نزدیک نہایت

بعید ہے۔ کیا درستی اور کیا عقل کے رو سے۔ ایسی حالت میں افسوس کی جگہہ تضحیک کرنا۔ اب میں اپنی بات کو موقوف کرتا ہوں۔ اس نصیحت اور کہاوت کے موافق کہ ہونا ایک خوبی کا دیر کر بہتر ہے نہ ہوتے سے اور جتنی جلدی ہوسکے بُرے کام کو چھوڑ کر بھلے کام طرف آنا اچھا ہے۔

۲۵
پچیسویں حکایت

دو شخص باہم ہو کر نکلے کہ کسی دُور ملک میں جا رہیے۔ تھوڑے دنوں کے بیچ میں ایک ملک میں جا پہنچے۔ ایک نے دریافت کیا کہ دل جمعی اور خوبی کے ساتھ جو یہاں رہیے تو ضرور ہے کہ پہلے یہاں کے رہنے والوں کی زبان سیکھیے۔ غرض اس نے سیکھی دوسرا اتنا مغرور تھا کہ عوام الناس کی زبان کو حقارت سے نہ سیکھا۔ صرف درباری اور عالموں کی زبان تحصیل کی۔ قضا کار بعد کئی برسوں کے دونوں کسی بستی میں آئے وہاں کی بھاکھا (زبان) اور اس ملک کی زبان ایک تھی پر وہاں کے رہنے والے ہنگامہ مچا کر غیر ملک کے عالموں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ وے (وہ) دونوں مسافر جدے جدے مکانوں میں بازار کے بیچ تھے کہ اُن خونیوں نے انھیں پکڑا اور الگ لے جا کر ہر ایک سے پوچھا کہ تمھارا یہاں کیا کام ہے جس نے محاورہ عوام کا سیکھا تھا بخوبی جواب دیا اس کو انھوں نے سلامت چھوڑا اور دوسرے مسافر نے جو صرف عالموں کی زبان سے جواب دیا اس کا سر خفگی سے جلکر کاٹ ڈالا۔

۲۶ چھبیسویں حکایت

ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوئے ایک اُن میں منطقی تھا ایک دوسرا پیراک۔ منطقی نے پیراک سے پوچھا کہو یار تم نے کچھ علم منطق کا بھی سیکھا ہے کہ نہیں۔ وہ بولا کہ میں نے اب تک منطق کا نام بھی نہیں سُنا سیکھنے کا تو کیا ذکر ہے۔ وہ سُن کر افسوس کرنے لگا کہ تم نے اپنی آدھی عمر جہالت کے دریا میں ڈبائی۔ اتنے میں طوفان نمودار ہوا۔ پیراک نے ٹھٹھولی سے منطقی کو کہا کہو صاحب کچھ پیرنا بھی آپ کو آتا ہے کہ نہیں۔ یہ بولا کہ سوائے منطق کے کچھ نہیں۔ پھر اسی نے حیف کھا کر کہا کہ تم نے اپنی ساری عمر برباد کی۔

۲۷ ستائیسویں حکایت

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر اور میر بخشی سے صلاحاً پوچھا کہ مال اور لشکر کے جمع کرنے میں میری عقل کام نہیں کرتی۔ اگر مال جمع کروں تو لشکر نہیں رہتا اور جو فوج رکھوں تو دولت نہیں رہتی۔ وزیر نے عرض کی کہ خداوند دولت جمع کیجئے جو فوج نہ رہیگی تو کچھ نقصان نہیں۔ کیونکہ جب ضرورت ہوگی رکھ لیجئے گا جو میری بات پر آپ کو اعتماد نہ ہو تو اس کی یہہ دلیل ہے کہ ایک برتن میں تھوڑا سا شہد رکھوا دیجئے ابھی ہزاروں مکھیاں گرد اس کے جمع ہونگی۔ جو نہیں (جوں ہی) شہد کا باسن رکھوا دیا لاکھوں مکھیاں بات کہتے ہی اُسکے گرد آبستیاں۔ تب

اُس نے کہا کہ دیکھئے حضرت جو فلاوی نے عرض کیا تھا سو سچ ہوا۔ پھر میر بخشی نے کہا اگر میری عرض سنئے تو فوج رکھئے جو وقت پر کام آوے۔ نہیں تو اُس وقت مال ہرگز کچھ فایدہ نہ کرے گا۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو میری بات کو امتحان کر لیجئے کر ایک ہانڈی میں تھوڑا سا شہد رات کو اس جگہ رکھوا دیجئے جو مکھیاں اُس پر آ لگیں تو میری بات جھوٹھ ہے اور جو نہیں تو سچ۔ اُس کے کہنے بموجب رات کو شہد کا باسن جو رکھوا دیا تو ایک مکھی بھی نہ آئی۔ خلاصہ اس بات کا یہ ہے جب اپنی فوج اپنے قبضے سے گئی پھر روز سیاہ میں مال بھی خرچ کیجئے تو ویسی سیر نہ ہوگی۔

۲۸ اٹھائیسویں حکایت

ایک آدمی نے کسی حکیم سے پوچھا کہ کون علم بہتر ہے پہلے لڑکوں کے سکھلانے کے لئے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ علم ضرور ہے جس کی حاجت ہوتی ہے جوانی کے وقت میں۔ دوسرے آدمی نے کہا کہ یکا لڑکوں کو وہ چیز کہ جب وے بڑے ہوویں تب اُسکے موافق چلیں اور اُس مطابق کام کریں۔

۲۹ اُنتیسویں حکایت

ایک آدمی سیر کرتا ہوا اورشلیم سے ہو کے پرا ہو کے تئیں چلا نا کہاں

چوروں سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اُسکو ایسا مارا کہ وہ قریب مرنے کے ہوا۔ اور وے اُسکا سب اسباب لوٹ کر بھاگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک متقی آدمی اس راہ سے گذرا اور اس نیم مُردے مسافر کو دیکھ دوسری راہ سے چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے پیچھے ایک آدمی اور آیا اُس نے بھی دوسری طرف کا رستا لیا۔ آخر کو ایک شخص جس کے مزاج میں نہایت رحم تھا اس ادھموے کے نزدیک گیا اور اسکی خستہ حالی دیکھ مہربانی سے بولا افسوس ہے کہ چوروں نے اسکو ایسا زخمی کیا کہ تمام بدن سے خون جاری ہے اور اُسے اٹھا کر اُس کے زخموں پر مرہم کی پٹیاں لگائیں۔ بعد اس کے اُسکو اپنے چارپائے پر ڈال کے ایک سرائے میں پہنچایا اور بڑی خبرداری کی صبح کے وقت دو روز پیچھے وہاں کے زمیندار کو کچھ دے کر یہہ کہا کہ اس کی خوب خبرداری کیجیو کہ یہہ کسی طرح کی تصدیع نہ پاوے یہاں تک کہ اگر زیادہ خرچ ہوگا تو جب میں پھر آؤنگا سب ادا کرونگا۔ تم اس حکایت سے سیکھو مہربانی اور شفقت کرنا اُن پر جو رنج میں گرفتار ہیں۔

۳۰ تیسویں حکایت

ایک بادشاہ نے اتفاقاً اپنے خدمتگار کو پکارا جب آواز کسی کی نہ پائی تب دروازہ کھول کے باہر نکلا اور ایک چھوٹے لڑکے کو کہ اُسکا نوکر تھا دیکھا اس کے پاس گیا کہ جگا دیوے۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک لکھا ہوا کاغذ

اسکی جیب میں پڑا ہے۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر کہا کہ دیکھوں اس کاغذ میں کیا لکھا ہے۔ آخر اُس کاغذ کو جیب سے نکال کر دیکھا کہ اسکی ماں کا خط ہے اور یہہ بات لکھی ہے کہ برخوردار میرے تم نے بڑی تصدیع اُٹھا کر اپنی تنخواہ سے تھوڑے روپے ہمکو بھیجے۔ نہایت سعادت مندی جو فرزندوں کو لایق ہے تم بجالائے خدا تمکو اس کا عوض دیگا۔ بادشاہ اُسکو اپنے کوشک[1] میں لے گیا اور کئی اشرفیاں اُس میں لپیٹ کر اس کی جیب میں رکھ دیں اور اُسے جِلّا کے پکارا کہ اٹھ بیٹھا۔ جب جاگا بادشاہ نے کہا تم ایسے بے خبر سو جاتے ہو۔ لڑکا کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور جب اُس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو خط میں لپٹی ہوئی اشرفیوں پاکر نہایت حیران ہوا اور خوف سے بادشاہ کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور اشرفیاں دکھا کر رونے لگا۔ بادشاہ نے کہا کہ تم کیوں روتے ہو۔ لڑکے نے کمال عاجزی سے جواب دیا کہ اے بادشاہ! کسی آدمی نے میری ہلاکت کے لئے یہہ کام کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یے (یہہ) کیسی اشرفیاں ہیں۔ بادشاہ نے تسلّی دے کر کہا کہ اے عزیز! خدا نے یہہ اشرفیاں تجھکو دی ہیں عوض اُس نیکی کے جو تُو نے کی ہے۔ ان اشرفیوں کو اپنی ماں پاس بھیج اور میں تیری اور تیری ماں کی خبرگیری کرونگا۔ یہہ بات بھی اُس کو لکھ بھیج۔

اکتیسویں (۳۱) حکایت

ایک مرتبے کسی کے گھر میں بڑی آگ لگی چاروں طرف لُو کے کے اُڑنے

۱۔ محل۔ قصر

لگے۔ گھر والے دو بھائی تھے اور ان کے باپ ماں نہایت ضعیف کہ ہلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور اس آگ سے بچ نہیں سکتے۔ بلکہ خوف سے کانپتے تھے۔ (وہ) دونوں بھائی اس مصیبت میں حیران تھے۔ ایک نے ارادہ کیا کہ گھر سے اسباب باہر نکالئے پر انھوں نے آپس میں یہہ کہا کہ کہاں پاویں گے ہم ایسی بے شمار دولت جس سے ہم نے زندگانی پائی۔ آو اسباب چھوڑ کے ان کو نکال لاویں۔ یہہ بات کہہ کے ایک نے باپ کو کاندھے پر چڑھالیا اور دوسرے نے ماں کو۔ اور اس آگ سے بچا کر انکو ایک جگہ میں بٹھا دیا۔ اور کسی چیز کا خیال نہ کیا۔ سب اسباب جل گیا وہ لوگ کیسے دین دار تھے کہ انکے کام سے ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ماں باپ کی خدمت سے کوئی بڑا کام نہیں۔

۳۲
بتیسویں حکایت

زمان پیش میں ایک شخص سیسرو نام مشہور تھا۔ نہایت منصف اور عالم اور راست باز۔ علم کی تحصیل میں بہت کوشش کرتا اور اُسکی عقل و دانش کو سب بہتر جانتے تھے۔ اُس کا قول یہہ تھا کہ سوائے علم کے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا کے راہ دکھادے اور آدمیوں کو حق کی طرف پہنچاوے۔ جو کوئی علم سے خالی ہے وہ سب چیز سے خالی ہے۔ بہر صورت علم گوہر بیش بہا ہے سب چیزوں سے۔ ہم نہیں جانتے ہیں کہ وہ آدمی کیونکر خوش ہے جو کہ علم سے واقف نہیں اور وہ اپنے دن سستی میں گذارتا ہے جیسا کہ بے زہر کا سانپ سب کی نظروں

میں حقیر رہتا ہے ویسا ہی علم سے عاری انسان بے توقیر ہے۔ وہ پیدا ہوا ہے صرف زمین کے تصدیع دینے کو۔ بھلوں کی صحبت کو بدجان کر ضرور بدمعاشوں میں رہیگا۔ اور بد راہ چلیگا اور سب کے نزدیک آخر کو مردود ہوگا دانا اور نیک بخت آدمی کا نشان یہہ ہے کہ دانا سعی کرتا ہے علم کے سکھانے میں اور رضا جوئی اُن کی جو اس کے علاقے میں ہیں۔

۳۳
تینتیسویں حکایت

روم کا بادشاہ کہ اس کا نام تیس دبیشیاں تھا ہمیشہ روزنامچہ دیکھتا اور حساب کرتا تھا گذشتہ عمر کے اعمال کا۔ جس روز دیکھتا کہ کوئی نیک کام نہیں ہوا دستخط کرتا کہ یہہ دن ہم نے مفت کھویا۔ آخرت کے ذخیرے کے واسطے نیک نامی کا تخم نہ بویا۔

۳۴
چونتیسویں حکایت

دای ینا ایک بادشاہ سری کیسوس کے ملک کا ہمیشہ بُرے کام کیا کرتا تھا۔ ایک روز یہہ معلوم کرکے کہ ڈیمان تقصیر دار قابل پھانسی دینے کے ہے۔ اس نے ڈیمان سے کہا کہ تمھارا جرم ثابت ہوا۔ تم پھانسی دئے جاؤ گے۔ تب ڈیمان نے اس سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنے لڑکے بالوں کو ایک نظر دیکھ لوں

کیونکہ مرنے کے بعد پھر دیکھنے نہ آونگا۔ ذرا فرصت ملے تو گھر جاؤں۔ بادشاہ نے کہا کہ ہم کو کیونکر یقین ہو کہ تم گھر سے پھر آوگے۔ اُس نے جواب دیا کہ اگر آپ کو یقین نہیں ہوتا ہے تو میں اپنے دوست نیتیاس کو عوض چھوڑ جاتا ہوں۔ یہہ قرار کر کے وہ اپنے گھر چلا گیا۔ قبل اس کے پھرنے کے بادشاہ قیدخانے میں گیا اور نیتیاس سے کہا کہ تم نے ڈیمان کی بات پر اعتماد کیا بڑی احمقی کی۔ کیونکہ جانتے ہو کہ وہ تمھارے لئے اپنی جان دیگا۔ نیتیاس نے جواب دیا کہ اے ہمارے بادشاہ ہم ہزار بار مرنے سکتے ہیں اپنے دوست کے واسطے اگر وہ پورا کرے اپنے وعدے کو۔ ڈیمان ہرگز عہدشکنی نہ کریگا۔ وہ بے شک آویگا اور ہم نہیں مرینگے۔ مگر خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے دوست کی جان بچے اس طرح کہ وہ یہاں پھر نہ آسکے جب تک کہ ہم جیتے ہیں چاہیے کہ کوئی اس کا مانع ہو۔ رہتے ہیں جو وہ نہ آوئے اور نہ مرے تاکہ لڑکے بالے اسکے عاجز نہ ہوں ہمارے مرنے سے کچھ نقصان نہیں۔ ایسا ہو کہ وہ جیتا رہے۔ بادشاہ یہہ گفتگو سُن کے متعجب ہوا جب کہ ڈیمان وقت معین پر نہ آپہنچا۔ اور جلاد آئے اور نیتیاس کو قیدخانے سے باہر لائے تب وہ نہایت خوشی سے پھانسی کی لکڑی پر چڑھا اور ہاتھوں سے دیکھنے والوں کو اشارہ کرنے لگا کہ ہم سمجھے خدا بہت راضی ہے جو ہماری دعا قبول ہوئی۔ کوئی ایسا سبب ہوا کہ ڈیمان آنے نہ سکا۔ خدا نے اس کو منع کیا جو اس نے اس سبب کے دفع کرنے کی طاقت اپنے میں نہ پائی۔ جب ہمارے قتل بعد وہ آئیگا تو جیئیگا۔ اس میں نہایت ہماری خوشی ہے اور کمال خواہش۔ جب نیتیاس نے یہہ کہا وہاں بھلے بُرے سب قسم کے لوگوں نے رونا شروع کیا اور

جلاد جوں ہی اٹھا کہ اتنے میں ڈیمان جلدی سے آپہنچا۔ گھوڑے سے اترا اور پھانسی کی لکڑی پر چڑھ گیا۔ نیتیاس کے گلے سے ملا اور بولا کہ اے دوست خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تجھکو سب برائیوں سے بچایا۔ نیتیاس نے کہا اے دوست تم کیوں آئے۔ تمھارے واسطے یہہ بہت بُرا ہوا۔ ڈائی سیا سُن کر حیران ہو گیا اور اُسکے دل کی آنکھیں کھل گئیں اور جی میں رحم آیا۔ تو اپنے تخت سے اُتر کے پھانسی کی لکڑی کے پاس گیا اور کہا کہ ہم نے ایسی دوستی کبھی نہیں دیکھی۔ تم سب جیسو کہ نیک بخت بندے خدا کے ہو۔ خالق نے تمکو یقین کا عوض دیا اور راست باز مشہور کیا۔ اب ایک شمہ اپنی دوستی کا ہم کو اچھی طرح تعلیم کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمکو بھی ارباب یقین میں داخل کرے۔

نسخہ ترجمہ حکایات لطیفہ واسطے تعلیم مبتدیاں ہندی پڑھنے والوں کے مطبع جامع الاخبار میں ۱۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۳ھ مطابق پہلی ماہ اپریل سنہ ۱۸۴۷ء تیار ہوا۔

ضمیمہ ترجمہ حکایتِ لطیفہ

ذیل میں وہ حکایتیں درج ہیں جو نیشنل میوزیم آف پاکستان (قومی عجائب گھر) کراچی کے مخطوطے میں درج ہیں۔ یہ حکایتیں "حکایاتِ لطیفہ" مطبوعہ جامع الاخبار مدراس یکم اپریل ۱۸۴۷ء میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔

دوسری نقل

کسی نے بادشاہ کے روبرو جا کر عرض کیا کہ ایک شخص میرے گھر میں آتا ہے اور میرے جورو[1] سے دوستی رکھتا ہے لیکن میں اس کو نہیں دیکھتا ہوں اور نہیں جانتا ہوں کہ کون ہے اور کہاں سے آتا ہے ہر چند چاہتا ہوں کہ اس کو پکڑوں اور گرفتار کروں۔ لیکن نہیں، میں نہیں دیکھ سکتا ہوں۔ اس لئے آپ سے اُمیدوار انصاف کا ہوں اور اس کو دیکھوں۔ بادشاہ یہہ بات سُن کر ایک شیشی عطر کی اُوس کو دیا اور فرمایا کہ یہ شیشی تیری عورت کو دے اور کہہ کہ کسی کو مت دے۔ وہ بیچارہ نے جا کر اسی طور سے کیا اور بادشاہ کیتنک[2]

۱۔ بیوی ۲۔ فوری ـ فوراً

جاسوسوں کو اور کھوجیوں کو اس کے گھر کے اطراف بیٹھایا اور کہا کہ جو کہ اس کے گھر سے نکلے اور عطر کی بُو اس کے کپڑے میں آوے سو اس کو پکڑ کر اس وقت میرے روبرو لادے۔ القصہ دوست اس عورت کا اپنی عادت کے موافق اس کے گھر گیا فی الفور وہ عورت عطر کو اسکے کپڑے میں ملی اور کہی کہ اگرچہ شوہر میرا کہا کہ یہہ عطر کسی کو مت دے لیکن تو میرا دوست ہے اگر تجھ کو نہ دوں تو وہ کیا کام آوے۔ غرض وہ شخص جب گھر سے باہر نکلا تب جاسوساں[1] عطر کی بُو سے اس کو پکڑ لئے اور بادشاہ کے روبرو لے گئے۔ بادشاہ اس شخص کو جو فریاد کیا تھا سو بلا کر کہا کہ یہہ دیکھ دوست تیری عورت کا۔ یہی ہے لے جا اور سزا دے۔

(ص ۲ و ۳)

تیسری نقل

ایک عورت قاضی کے روبرو جا کر عرض کی کہ فلانہ آدمی میرے ساتھ زبردستی اور زور سے زنا کیا۔ قاضی اس کو اپنے حضور میں بلا کر پوچھا کہ کیوں اس عورت کی آبرو لیا۔ اور شرمندی کیا۔ وہ اس بات سے منکر ہوا بعد قاضی حکم کیا کہ دس روپے جرمانا اس کو عورت کو دے۔ وہ بیچارہ لاچار ہو کر موافق

۱۔ جاسوس کی جمع

حکم قاضی کے دس روپلے دیا جب وہ عورت وہاں سے رخصت ہوئی اور باہر گئی تب قاضی اس شخص کو فرمایا کہ جلد جا اور نقد اپنا اس سے پھر لے۔ وہ شخص یہہ حکم پاتے ہی دوڑا اور ہر چند چاہا کہ اپنے روپلے اس سے پھر لیو۔ لے نہ سکا۔ وہ پھر قاضی کے پاس آکر عرض کی کہ وہ شخص روپلے میرے سے بروز لیا چاہتا ہے۔ میں اس کو نہیں دی اگر آپ کی مرضی ہو تو دیتی ہوں۔ قاضی کہا اے عورت مکارہ! جب کہ وہ شخص روپلے تجھ سے لینے نہ سکا۔ بے رضامندی تیری کیونکر تجھ سے زنا کیا۔ تو جھوٹ[1] کہتی ہے جا اور نقد اس کو پھر دے اور بار دیگر کبھی اس طور سے مت بول اور کسی پہ بہتان مت کر۔

(ص ۴۰۵)

دسویں نقل

ایک عورت اپنے ہمسائے کی عورت سے عداوت رکھتی تھی ایک رات شراب پی کر اپنے بچے کو مار ڈالی اور اس عورت کے گھر میں پھینک دی صبح کے وقت اس پر تہمت ڈالی کہ میرے بچے کو تو مار ڈالی ہے۔ اس کو قاضی کے روبرو لے جا کر یہہ کیفیت ظاہر کی قاضی ہمسائے کی عورت کو بلا کر بہت ڈرایا اور کہا کہ سچ بول اگر نہیں تو مار ڈالونگا۔ وہ قسم کھائی اور انکار کی۔ قاضی

۱۔ چھوٹ کو جھوٹھ لکھا گیا ہے

کہا کہ میرے روبرو برہنہ ہو تو تیری بات سچ جانوں گا۔ وہ عورت مارے شرم و حیا کے سر نہوڑائی[1] اور کہی کہ مجھے مارا جانا بہتر ہے لیکن ہرگز برہنہ نہ ہوں گی۔ قاضی اس کو رخصت کیا اور فریادی عورت کو خلوت میں بلا کر کہا کہ اگر میرے سامنے ننگی ہوگی[2] تو تیری بات باور کروں گا۔ وہ عورت چاہی کہ برہنہ ہو جاوے۔ قاضی اس کو منع کیا اور کہا کہ بچے کو تو ہی ماری ہے جب کیتک قمچیاں اس کو مارا تب اقرار کی۔ میں تقصیر مند ہوں اور اس پر تہمت رکھی ہوں۔ حاصل کلام قاضی اس کو سولی پر چڑھایا۔

(ص ۱۵ و ۱۶)

۲۴
چوبیسویں نقل

ایک روز کوئی بادشاہ کسی شاعر سے آزردہ ہوا جلاد کو حکم کیا کہ میرے روبرو اس کو قتل کر۔ جلاد تلوار لانے کے لیے گیا۔ وہ شاعر وہاں کے لوگ سے کہا کہ جلاد شمشیر لائے تک مجھے طمانچہ مارتے رہو کیونکہ بادشاہ خوش ہووے۔ بادشاہ اس بات سے تبسّم کر کر تقصیر اس کی معاف کیا۔

(ص ۲۲)

۲۵
پچیسویں نقل

ایک شاعر کسی تونگر کی تعریف کیا کچھ نہ پایا۔ بعد ہجو کیا تب بھی

۱۔ سر نہ اٹھائی   ۲۔ ہوگی

کچھ ہاتھ نہ آیا۔ دوسرے روز اس کے دروازے پر جا کر بیٹھا تونگر اس سے پوچھا کہ اے شاعر تو مدح کیا میں کچھ نہ دیا۔ بعد ہجو کیا تب بھی میں کچھ نہ کہا۔ اب کیا واسطے تو بیٹھا ہے۔ جواب دیا کہ سچ ہے۔ اب ارادہ میرا یہہ ہے کہ اگر تو مرے تو مرثیہ تیرا کہوں۔ اور جاؤں۔

(ص ۲۲ و ۲۳)

چھبیسویں[۲۶] نقل

ایک بادشاہ خواب میں دیکھا کہ تمام دانتاں[۱] اپنے گر پڑے ہیں۔ کسی منجم سے تعبیر اس کی پوچھا وہ بولا کہ اولاد اقارب بادشاہ کے روبرو بادشاہ کے مر جاوینگے۔ بادشاہ ناخوش ہو کر اس کو قید کیا۔ اور دوسرے نجومی کو بلا کر اس خواب کی تعبیر دریافت کیا۔ وہ التماس کیا کہ بادشاہ تمام خویش و اقارب سے زیادہ جیئنگے۔ بادشاہ یہہ بات پسند کیا اور انعام دیا۔

(ص ۲۳)

ستاویسویں[۲۷] نقل

ایک شخص خدمت بڑی پایا۔ کوئی دوست اُس کا یہہ خبر سُن کر اس کے تہنیت کے واسطے گیا۔ وہ دیکھتے ہی پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں آیا

۱۔ دانت کی جمع

دوست شرمندہ ہوکر فی الفور جواب دیا کہ تو مجھے نہیں جانتا ہے کہ میں تیرا قدیم دوست ہوں ۔ میں سُنا تھا کہ تو اندھا[1] ہوگیا ہے اس لئے تجھے دیکھنے آیا ہوں ۔ اس بات سے وہ شرمندہ ہوا اور منفعل ہوا ۔

(ص ۲۳ و ۲۴)

اٹھاویسویں[28] نقل

ایک بادشاہ جنگ میں شکست پایا کوئی شخص دشمن کے فوج سے اس کو پکڑا وہ نہ سمجھا کہ یہہ بادشاہ ہے اپنا اسباب اس کے سر پر دھر کر لے چلا کسی منزل میں پہنچا تھوڑے چانول[2] اس کو دے کر کہا کہ پکا کر کہا[3] ۔ بادشاہ اس وقت بہت بھوکا تھا ۔ چانول ہنڈی میں ڈال کر چولے پر رکھا اور آپ تھوڑی دور بیٹھا ۔ اتفاقاً ایک کتا آکر اس ہنڈی کو اٹھالیا اور بھاگا ۔ یہ دیکھ کر بادشاہ ہنسا وہ شخص اس کیفیت سے بادشاہ پر بہت ناخوش ہوکر کہا کہ اے احمق کتا تیری ہنڈی لے گیا اور تو ہنستا ہے ۔ اس کا کیا سبب بول ۔ بادشاہ خاموش رہا جب تازیانے مارنے لگا ۔ کہا کہ کوئی روز میں ایسا تھا کہ جب میں شکار کو جاتا تب سو اونٹاں[4] اسباب باورچی خانے کے لے کر میرے ساتھ آتے ۔ آج میں ایسا غریب ہوں کہ ایک مٹھی چانول کتا بھی نہیں چھوڑا ۔ وہ شخص معلوم کیا کہ یہہ بادشاہ ہے تب اپنی تقصیر کی معافی چاہا اور اس کو چھوڑ دیا ۔

(ص ۲۴ و ۲۵)

---

۱ ۔ اندھا ۲ ۔ چاول ۳ ۔ کھا ۴ ۔ اونٹ کی جمع

اکتیسویں[31] نقل

ایک روز بادشاہ بادشاہزادے[1] کو ساتھ لے کر شکار کو گیا جب دھوپ کے سبب سے ہوا گرم ہوئی بادشاہ اور شاہزادہ اپنی شال ایک مسخرے کے کاندھے پر رکھے۔ بادشاہ مسکرایا اور کہا کہ اے مسخرے تیرے کاندھے پر ایک گدھے کا بوجھ ہے وہ اس وقت جواب دیا کہ ایک گدھے کا بوجھ نہیں بلکہ دو گدھے کا بوجھ ہے۔

(ص ۲۷)

بتیسویں[32] نقل

کوئی مسخرہ ایک عورت کے ساتھ بیاہ کیا چہار مہینے کے بعد اس کی عورت بیٹا جنی اور اپنے مرد کو کہی کہ اس بچے کا کیا نام رکھا چاہئے وہ کہا کہ پیک کیونکہ نو مہینے کی راہ چار مہینے میں طے کیا اور آ پہنچا۔

(ص ۲۷ و ۲۸)

چونتیسویں نقل

ایک شخص فقیر کی پگڑی چھین کر بھاگا۔ وہ بے چارہ فقیر قبرستان

۱۔ شہزادہ

میں جاکر بیٹھا ۔ لوگ اس کو کہے کہ وہ تیری پگڑی باغ کے طرف لے گیا تو قبرستان میں کیوں بیٹھا ہے ۔ کہا کہ وہ بھی آخر ایک روز یہاں آویگا ۔ اس سبب سے یہاں بیٹھا ہوں ۔

(ص ۳۹)

انچالیسویں نقل [۳۹]

ایک شخص لکھنے والے کے پاس جاکر کہا کہ مجھے ایک خط لکھ دے ۔ وہ کہا کہ میرے پانوں[۱] میں درد ہے ۔ وہ کہا کہ میں تجھے کسی جگہ بھیجنا نہیں چاہتا ہوں تو ایسا حیلہ اور عذر کرتا ہے ۔ جواب دیا یہہ بات تیری راست ہے لیکن جس وقت کہ میں کیسکو خط لکھتا ہوں تو اس کے پڑھنے کے واسطے مجھے بلاتے ہیں کس واسطے کہ میرے سوائے دوسرا شخص خط نہیں پڑھ سکتا ہے ۔

(ص ۳۲ و ۳۳)

ترتالیسویں نقل [۴۳]

ایک بدصورت کسی حکیم کے پاس گیا اور کہا کہ بہت بد اور خراب جگہ میرے بدن میں دُمل ہوا ہے ۔ دوا دے ۔ طبیب اس کے چہرے پر نظر کر کر کہا کہ تو جھوٹ[۲] کہتا ہے کیونکہ جب منہ تیرا دیکھتا ہوں کوئی دُمل نظر نہیں آتا ۔

(ص ۳۵)

۱۔ پاؤں ۔ ۲ ۔ جھوٹ

پینتالیسویں نقل ۴۵

ایک طبیب تھا کہ جب قبرستان میں جاتا منہ اور سر کو اپنے ڈھانپتا۔ لوگ پوچھے کہ اس کا کیا سبب ہے۔ وہ کہا کہ اس قبرستان مردوں سے شرم رکھتا ہوں کیونکہ یہہ سب میری دوا سے مرے ہیں۔

(ص ۳۶)

سینتالیسویں نقل ۴۷

ایک شخص تونگر کے روبرو جا کر بہت اس کی تعریف کیا تونگر خوشنود ہوا اور کہا کہ میرے پاس کچھ نقد نہیں ہے لیکن اناج بہت ہے اگر میاں[1] آویگا تو دیتا ہوں۔ شاعر اپنے گھر جا کے دوسرے روز فجر کے وقت اس تونگر کے پاس پھر آیا۔ اور کہا کہ کل غلہ دینے کا اقرار کیا تھا۔ اس سبب سے آیا ہوں کہا تو عجب احمق ہے تو باتوں سے مجھے خوش کیا۔ میں بھی تجھے باتوں سے خوش کیا اب غلہ تجھے کیا واسطے دوں۔ شاعر بہت شرمندہ ہو کر چلا گیا اور کچھ نہ کہا۔

(ص ۳۷ و ۳۸)

اٹھتالیسویں نقل ۴۸

ایک فقیر بڑی تقصیر کیا جلشی کو توال کے روبرو اس کو پکڑ لے گئے۔

۱۔ صبح کی جمع

کوتوال نے حکم کیا کہ تمام منہہ اس کا کالا کر تمام شہر میں پھراؤ۔ نقیر نے کہا اے کوتوال آدہا منہ میرا کالا کر اگر نہیں تو تمام لوگ شہر کے سمجھینگے کہ میں حبشی کوتوال ہوں۔ کوتوال یہہ بات سُن کر ہنسا اور تقصیر اس کی معاف کیا۔

(ص ۳۸)

پچاسوّیں نقل ۵۱

ایک نقیر بقال کے دوکان پاس جاکر خریدی میں جلدی کیا۔ وہ بقال اس کو گالیاں دینے لگا۔ نقیر ناخوش ہوکر اس کو ایک پاپوش اس کے سر پہ مارا۔ وہ بقال کوتوال کے پاس جاکر فریاد اور نالش کیا۔ کوتوال اس نقیر کو بلاکر پوچھا کہ بقال کو کیوں مارا۔ نقیر نے کہا یہہ مجھے گالیاں دیا۔ کوتوال نے کہا کہ اے درویش تو بڑی تقصیر کیا ہے لیکن تو نقیر ہے اس واسطے تجھے سیاست نہیں کرتا ہوں لیکن آٹھ آنے اس بقال کو دے سزا تیری یہی ہے۔ درویش ایک روپیا[۱] اپنے جیب سے نکال کر کوتوال کے ہاتھ میں دیا اور ایک پاپوش کوتوال کے سر پہ مارا اور کہا کہ اگر ایسا ہی انصاف ہے تو آٹھ آنے تُو لے اور آٹھ آنے بقال کو دے۔

(ص ۳۹ و ۴۰)

باونویں نقل ۵۲

ایک شاعر مسکین تونگر کے روبرو جاکر ایسا بیٹھا کہ درمیان شاعر اور

۱۔ روپیہ

تونگر کے ایک بالشت سے زیادہ تفاوت نہ تھا۔ وہ تونگر اس سبب سے بہت ناخوش ہوا۔ اور چین بجبین ہو کر پوچھا کہ درمیان تیرے اور گدھے میں کیا فرق ہے۔ جواب دیا کہ ایک بالشت تونگر اس بات سے بہت شرمندہ ہوا۔

(ص ۱۴۱)

تریپنویں نقل[۵۳]

ایک غریب شاعر تونگر کے پاس سوال کیا اور کچھ مانگا۔ گھر کے اندر سے جواب آیا کہ بی بی گھر میں نہیں ہیں۔ پھر مانگ۔ فقیر کہا میں کچھ کھانا روٹی چاہا۔ بی بی کو نہیں مانگا۔ جو ایسا جواب پایا۔

(ص ۱۴۱)

اٹھاونویں نقل[۵۸]

ایک شخص خواب میں شیطان کو دیکھکر ایک طمانچہ اس کے منہ پر مارا۔ اور اس کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ اے ملعون! تو دشمن ہمارا ہے اور ہمکو فریب دینے کے واسطے لنبی[۱] داڑھی رکھا ہے۔ پھر ایک طمانچہ[۲] مار نیند سے بیدار ہوا دیکھا کہ اپنی داڑھی اپنے ہاتھ میں ہے۔ اس بات سے بہت شرمندہ ہوا اور اپنے پر آپ ہنسا۔

(ص ۱۴۵ و ۱۴۶)

۱۔ لمبی ۲۔ طمانچہ لکھا گیا ہے۔

پینسٹھویں نقل [65]

ایک بادشاہ کسی منجم سے پوچھا کہ میری عمر اور کتنی باقی ہے کہا دس برس ۔ بادشاہ بہت فکر سے بیمار ہو گیا۔ وزیر بہت عاقل تھا ۔ منجم کو روبرو بلا کر پوچھا کہ کتنے برس تیری عمر باقی ہے وہ کہا کہ بیس برس ۔ وزیر اس وقت بادشاہ کے روبرو تلوار کھینچ کر اس کو قتل کیا ۔ بادشاہ خوش ہو کر حکمت کو وزیر کے پسند کیا اور پھر کسی منجم کی بات نہیں سنا ۔

(ص ۵۲ و ۵۳)

بہترویں نقل [72]

ایک چور کسی مکان میں گھوڑا چرانے کے واسطے گیا ۔ اتفاقاً وہاں پکڑا[1] گیا ۔ مالک گھوڑے کا کہا کہ مجھے گھوڑا چرانے کی حکمت سکھا ۔ ویسا تو میں تجھے چھوڑ دیتا ہوں ۔ یہہ بات چور قبول کیا ۔ اور گھوڑے کے نزدیک گیا اس کے پاؤں کی رسی کھول کر اس کو لگام دیا ۔ بعد آپ اس پر سوار ہو کر گھوڑا جلد چلایا اور کہا کہ دیکھ اس طور سے گھوڑا چراتے ہیں ۔ لوگ ہر چند چاہے اور اس کا پیچھا کیے آخر نہ پکڑا اور جاتا رہا ۔

(ص ۵۹ و ۶۰)

---

۱ ۔ پکڑا گیا ۔

چودھترویں نقل

ایک شخص نے افلاطون سے پوچھا کہ تم نے برسوں تک دریا کا سفر کیا۔ دریا میں کیا کیا عجایب دیکھے۔ افلاطون نے جواب دیا کہ یہی عجوبہ دیکھا کہ میں دریا سے کنارے پر سلامت پہنچا[1]

(ص ۶۰، ۶۱)

پچہترویں نقل[5]

کسی بادشاہ کا ایک وزیر تھا بڑا عاقل اور دانا۔ وزارت کو چھوڑ کر عبادت میں خدا کے مشغول ہوا۔ ایک روز بادشاہ امیروں سے پوچھا کہ وزیر کہاں ہے؟ عرض کیے کہ وزارت ترک کر کر خدا کی بندگی میں مشغول ہوا ہے۔ بادشاہ اس وزیر کے پاس جا کر پوچھا کہ اے وزیر مجھ سے کیا تقصیر دیکھا کہ وزارت کو چھوڑ دیا ہوں۔ پہلا یہہ کہ تو بیٹھا ہوا رہتا ہے میں تیرے حضور کھڑا رہتا ہوں۔ اب خدا کی بندگی کرتا ہوں۔ وہ حکم بیٹھنے کا دیا ہے۔ دوسرا یہہ کہ تو کھانا کھاتا ہے اور میں دیکھتا رہتا ہوں۔ اب مجھے ایسا رزاق ہے کہ وہ نہیں کھاتا ہے اور مجھے کھلاتا ہے۔ تیسرا یہہ کہ تو سونے کے وقت میں پاسبانی کرتا تھا۔ اب ایسا خدا ہے میں سوتا ہوں وہ میری نگہبانی کرتا ہے۔

۱۔ حکایت لطیفہ میں یہ ستر ھویں حکایت ہے جب کہ قومی عجائب گھر کراچی کے مخطوط میں اس کا نمبر چودھترواں ہے۔

چوتھا یہہ کہ میں ہمیشہ ڈرتا تھا کہ اگر تو مرجاوے مجھے دشمنوں سے سختی پہنچے ۔ اب ایسا خدا رکھتا ہوں کہ کبھی نہ مریگا ۔ اور مجھے کسی دشمن سے آسیب نہ پہنچیگی ۔ پانچواں یہہ کہ تیرے سے میں ڈرتا تھا کہ کبھی مجھ سے کچھ تقصیر ہووے تو معاف نہ کرے گا ۔ اب خدا میرا ایسا رحیم و کریم ہے کہ ہر روز سو گناہ کرتا ہوں وہ بخشتا ہے ۔

(ص ۶۱ و ۶۲)

۷۶ چھہترویں نقل

لوگ کہتے ہیں کہ سلطان محمود ایاز کے ساتھ بہت دوستی رکھتا تھا ۔ اس سبب سے تمام وزیران بادشاہ کے اس پر حسد لے جاتے تھے ۔ بادشاہ کو کہے کہ ایاز ہمیشہ جواہر خانے جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کچھ چوری کرتا ہے ۔ اگر نہیں تو اس کو جواہر خانے میں کیا کام ۔ یہہ سن کر بادشاہ کہا جب میں اپنے نظر سے دیکھونگا تب باور کرونگا ۔ ایک روز بادشاہ کو خبر کئیے کہ اب ایاز جواہر خانے میں گیا ہے ۔ تب بادشاہ جھروکے سے جواہر خانے میں دیکھا کہ ایاز کیا کرتا ہے ۔ دیکھا کہ ایاز صندوق کھول کر پُرانے اور میلے کپڑے پہنا ۔ بادشاہ اندر تشریف لے گیا ۔ پوچھا کہ کس واسطے تو ایسے کپڑے پہنتا ہے اور کیا سبب ہے ۔ عرض کیا کہ اے خداوند ! جب میں آگے نوکر نہ تھا تب ایسے کپڑے پہنتا تھا ۔ اب بادشاہ کے عنایت سے کپڑے پاکیزہ اور بیش قیمت رکھتا ہوں ۔ باوجود اس کے ہمیشہ اپنے پرانے کپڑے دیکھتا ہوں اور پہنتا ہوں کیونکہ اپنی قدیم حالت

کو فراموش نہ کروں اور آپ کی قدر و منزلت معلوم کروں ۔ بادشاہ جب یہہ بات اس سے سُنا بہت پسند کیا اور اس کو گلے لگایا اور مرتبہ اس کا زیادہ کیا[۱]

تمت تمام شد کار من نظام شد

(ص ۶۳ و ۶۴)

---

۱ - حکایت لطیفہ میں یہ اٹھارہویں حکایت ہے ۔ جب کہ قومی عجائب گھر کراچی کے مخطوطے میں یہ سب سے آخری حکایت یعنی "چھپنویں نقل" ہے ۔

ڈاکٹر محمد افضل اقبال کی دیگر مطبوعات

۱۔ تذکرۂ سعید (اردو انگریزی) ۱۹۷۳ء

"حیدرآباد کے مشہور علمی و دینی خدمت گزار خاندان کا مفصل و مستند تذکرہ بہت سے مضمونوں کا مجموعہ جن میں سے ہر ایک دلچسپ و پُر معلومات ہے خصوصاً ڈاکٹر یوسف الدین محمد افضل اقبال، ڈاکٹر محمد غوث کے قلم سے نکلے ہوئے علوم اسلامیہ، ثقافت اسلامیہ اور عثمانیہ یونیورسٹی کے سارے طلبہ کے لیے قابل مطالعہ

محمد عبد الماجد دریابادی، مدیر صدق جدید، لکھنو

۲۔ مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما (جلد اول) ۱۹۷۹ء

مدراس یونیورسٹی کے ایم فل کے نصاب میں شامل اور آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی کا پہلا انعام پانے والی تحقیقی کتاب:

"یہ کتاب مصنف کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی ہے۔ ابھی تک اس موضوع پر کوئی اچھی کتاب موجود نہیں تھی اس کتاب سے یہ کمی پوری ہوگی۔ اس سے مصنف کی محنت اور سلیقہ کا پتہ چلتا ہے"۔

ماہ نامہ "معارف" اعظم گڈھ۔ (یوپی)

•

مقالہ نگار نے علاقہ مدراس کے ادیبوں کا تذکرہ بڑی جامعیت سے کیا ہے۔ ادیبوں کی تفصیل اور ریل پیل دیکھ کر مقالہ نگار کی غیر معمولی عرق ریزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ عام طور پر پی ایچ۔ڈی کے مقالوں کی تیاری میں اتنی محنت نہیں کی جاتی۔ علاقہ مدراس کی حد تک ان کا کارنامہ ایک جامع کام ہے اور تاریخ ادب کے احصا کا ایک خلا پر کرتا ہے۔ بہت کم ایسے محقق ہوں گے جن کی پہلی تصنیف اتنے اچھے معیار کی ہو۔

پروفیسر گیان چند جین۔ صدر شعبہ اردو
یونیورسٹی آف حیدرآباد

میں نے اس کتاب کو اپنے یہاں ایم فل میں تعلیمی موضوعات پر کام کرنے والوں کے لیے داخل نصاب فی الفور کرلیا۔ یہ کتاب کام کی ہے اور آیندہ تحقیق کرنے والوں کے لیے بنیادی مواد فراہم کرتی ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کا ذوق تحقیق و تصنیف اور بالیدہ ہو اور آپ اردو دنیا میں اس سے زیادہ شہرت حاصل کریں۔

پروفیسر نجم الہدیٰ صدر شعبہ عربی، فارسی، اردو، مدراس یونیورسٹی

۳۔ ▬ فورٹ سینٹ جارج کالج دکنی زبان و ادب کا ایک اہم مرکز ۱۹۷۹ء

اتر پردیش اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ تحقیقی کتاب

" اردو زبان و ادب کی نشو و نما میں مدراس اور جنوبی ہند کا حصہ انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کی طرح مدراس کے فورٹ سینٹ جارج کالج کا رول نہایت اہم ہے۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے بڑی محنت کے ساتھ منتشر مواد کو جمع کیا ہے۔ ان کی تحقیقی کتاب اردو لٹریچر میں ایک خوش گوار اضافہ ہے۔ میں بڑی مسرت کے ساتھ اس نئی کتاب کا خیر مقدم کرتی ہوں۔

پروفیسر انا میری شمل پروفیسر انڈو مسلم کلچر ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ)

۴ ▬ جنوبی ہند کی اردو صحافت ۱۹۸۱ء

اتر پردیش اردو اکیڈمی اور مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی ایوارڈ یافتہ تحقیقی کتاب

یہ کتاب اس نقطہ نظر سے بہت اہم ہے کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کوئی کام نہیں ہوا۔ اس کتاب میں کئی ایسے اخباروں کا ذکر آیا ہے جن کا نام اس سے پہلے نظر سے نہیں گزرا۔

ڈاکٹر خلیق انجم۔ ایڈیٹر ہماری زبان۔ نئی دہلی

یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے مگر اپنے مواد کے لحاظ سے خاصی اہمیت رکھتی ہے۔

مولف نے بڑی تحقیق و تلاش کے بعد اس خطے میں شائع ہونے والے قدیم اخبارات کا کھوج لگایا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مدراس کے ان قدیم مطابع کی نشان دہی بھی کی ہے جو اس دور میں طباعت کی خدمات انجام دے رہے تھے۔
.... اس طرح انھوں نے اپنے موضوع کے بہت سے نئے گوشوں پر روشنی ڈال کر یہ مختصر مگر مفید اور تحقیقی کتاب پیش کی ہے۔

روزنامہ "جنگ" کراچی

•

میں کراچی گیا تھا آپ کی تصنیف "جنوبی ہند کی اُردو صحافت" جناب حمید الدین شاہد نے عنایت فرمائی دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی۔ اُردو صحافت کی اہمیت کو علمی و ادبی طبقے نے سمجھا نہیں ہے۔ اس پر کام زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ آپ اس پر زیادہ توجہ دیں۔ نوجوان ہیں۔

مولانا امداد صابری۔ دہلی۔

۵ ـــ اُردو کا پہلا نثری ڈرامہ ۱۹۸۴ء

اتر پردیش اُردو اکیڈیمی اور آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی کی ایوارڈ یافتہ کتاب

آپ نے جن دلائل اور حوالوں کے ساتھ یہ کتاب پیش کی ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہی ڈرامہ اُردو کا پہلا نثری ڈرامہ ہے اس تحقیق پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی۔ پاکستان

•

۶ نواب اعظم و مثنوی اعظم نامہ ۱۹۸۷ء

آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی کی ایوارڈ یافتہ تحقیقی کتاب

"